سام ہیرس

مسیحی قوم کے نام ایک خط

Inspired by Sam Harris's
'Letter to a Christian Nation'

سام ہیرس کے

مسیحی قوم کے نام ایک خط

سے ماخوذ

اردو تقلیب

از

رہبر رہبر

ترتیب و پیشکش

جراتِ تحقیق

پیش لفظ

سام حارث ایک مشہور امریکی فلسفی، مصنف، عصبی سائنس کے ماہر اور مذہب کے نقاد ہیں. وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب پر کھلی تنقید کا وقت آچکا ہے. وہ اسلامی، مسیحی اور یہودی مذاہب پر یکساں نکتہ چینی کرتے ہیں. وہ یقین رکھتے ہیں کہ عالمی تہذیب کو اندھے ایمان سے بہت بڑا خطرہ لاحق ہے. ان کی متعدد تصانیف میں سے ۲۰۰۴ میں چھپنے والی ایک کتاب 'دی اینڈ آف فیتھ' نیویارک ٹائمز کی بہترین بکنے والی کتب کی لسٹ پر ۳۳ ہفتے موجود رہی.

آپ ان کی ایک مشہور زمانہ تحریر 'مسیحی قوم کو ایک خط' سے ماخوذ، ترجمہ پڑھنے جارہے ہیں. اگرچہ اس تحریر کی مخاطب مسیحی قوم ہے، میں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف ہر مذہب کے نقاد بلکہ تمام سوچنے والے لوگ اس خط سے انتہائی اہم سبق سیکھ سکتے ہیں.

اگرچہ خیالات اور دلائل سب سام ہیرس کے ہیں مگر پس منظر کو اردو بولنے والوں کیلئے ڈھالنا، ترجمے کی مشکلات کی وجوہات سے متن میں اضافہ اور تخفیف اس ترجمے کو سام ہیرس کی تحریر سے ماخوذ بناتی ہے. غلطیاں اگر ہیں تو وہ میری ہوں گی. عالمی طور پر سراہے گئے خیالات سام حارث کے ہیں. (نوٹ: اس تحریر سے بھرپور لطف اٹھانے کے لیے اس کو ایک ہی نشست میں پڑھنے کی کوشش کریں)

رہبر رہبر

۳۰ اگست، ۲۰۱۴

مسیحی قوم کو ایک خط

آپ یقین رکھتے ہیں کہ بائبل خدا کا کلام ہے، عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں اور جو لوگ عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں انہی کیلئے بعد از مرگ نجات ہے . ایک مسیحی کے طور پر آپ ان مفروضوں پر اس لیے نہیں ایمان رکھتے کہ یہ آپ کو اچھا احساس دلاتے ہیں بلکہ اس لیے رکھتے ہیں کیوں کہ آپ کے خیال میں یہ سچ ہیں. اس سے پہلے کہ میں آپ کے ان عقیدوں میں مسائل کی نشان دہی کروں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اور آپ بہت سے نکتوں پر ایک دوسرے سے اتفاق بھی کرتے ہیں. مثلاً ہم دونوں یہ مانتے ہیں کہ اگر ہم میں سے ایک صحیح ہوا تو دوسرا غلط ہو گا. بائبل یا خدا کا کلام ہے یا نہیں. عیسیٰ یا تو انسانیت کو بعد از مرگ نجات کی نوید حق دیتے ہیں یا نہیں . ہم اس پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ ایک سچا مسیحی ہونے کا مطلب ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا کے باقی تمام عقیدے غلط ہیں. اور اگر عیسائیت ہی دین حق ہے، اور میں جو اپنے الحاد میں پکا ہوں، دوزخ کی آگ میں جلایا جاؤنگا.

چلیں اس سے بھی زیادہ بُری ایک بات بتاتا چلوں. میں اب تک بہت سارے لوگوں کو، جن میں سے کئی میرے قریبی دوست بھی ہیں، خدا کے تصور سے ہی منکر کرا بیٹھا ہوں. وہ بھی میرے ساتھ اُس ابدی آگ میں جلیں گے. اگر عیسائیت کا بنیادی نظریہ صحیح ہے تو میں نے تو اپنی زندگی برباد ہی کر ڈالی ہے. میں اس بات کو غیر مشروط طور پر قبول کرتا ہوں. اگر میں مسیحی مذہب کو یوں بغیر کسی پرواہ کے، مسلسل اور کھلے عام مسترد کرتا ہوں تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں آپ کے مسیحی ہونے کی وجوہات کو کتنا غلط سمجھتا ہونگا.

بے شک ایسے بھی مسیحی موجود ہیں جو ہم دونوں سے متفق نہیں ہیں. وہ سمجھتے ہیں کہ باقی مذاہب بھی نجات کا راستہ دکھاتے ہیں. پھر ایسے بھی مسیحی ہیں جن کو دوزخ کا کوئی خوف نہیں اور جو نہیں سمجھتے کہ عیسیٰ کبھی دوبارہ زندہ کیے جائینگے. ایسے مسیحی اپنے آپ کو اکثر 'فراخ دل مذہبی' یا 'اعتدال پسند مذہبی' کہتے ہیں. اُن کے مطابق ہم دونوں ایمان کے مطلب کو ہی نہیں سمجھ پائے. وہ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ الحاد اور بنیاد پرستی کے بیچ ایک ایسی خوبصورت درمیانی زمین بھی موجود ہے جسے سوچنے والے مسیحیوں کی نسلیں خاموشی سے کھوج لگاتی آئی ہیں. ایسے لوگوں کے مطابق ایمان نام ہے اسرار کا، معانی کا، سماج کا اور محبت کا. یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو صرف عقیدوں کا اختیار کرنا نہیں بلکہ اپنی زندگی کے کُل کا ماخذ سمجھنا ہے.

ایسی سوچ کے ساتھ منسلک مسئلوں کی میں پہلے بھی نشان دہی کر چکا ہوں. بس یہ بتانا مقصود ہے کہ مسئلہ سادہ تو ہے مگر فوری طور پر غور طلب. اور یہی بات 'فراخ دل' یا 'اعتدال پسند' مذہبی ماننے پر تیار نہیں. بائبل یا تو انسان کی لکھی ہوئی معمولی سی ایک کتاب

ہے یا نہیں. عیسیٰ یا تو آسمانوں سے اُترا تھے یا نہیں. اگر بائبل ایک معمولی کتاب ہے اور عیسیٰ ایک عام آدمی تو مسیحی مذہب کی بنیادیں ہی جھوٹ پر پڑی ہوئی ہیں اور اس کے مرکزی نظریئے کی ایک سراب پر. اگر مسیحی مذہب کے بنیادی ستون واقعی سچے اور مضبوط ہیں تو مجھ جیسے ملحدوں کے لیے دردناک صدمے انتظار میں ہیں. آپ کو سمجھ آرہی ہے. کم از کم آدھی امریکی قوم کو تو سمجھ آتی ہے یہ بات. تو چلیں اس بات کو سادہ ترین الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں، "ہم دونوں میں سے ایک اس بحث کو ڈنکے کی چوٹ پر جیت جائیگا اور دوسرا بُری طرح سے مات ہو گا. تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا.

تو دیکھئے!

ہر مسلمان کی بھی اسلام پر یقین رکھنے کی ایسی ہی وجوہات ہیں جیسی آپ کی مسیحیت پر ایمان رکھنے کی ہیں. مگر اُن کی وجوہات آپ کو صحیح نہیں لگتیں. قران بار بار کہتا ہے کہ یہ رب کائنات کا ایک لاعیب کلام ہے. مسلمان اس پر ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا آپ بائبل پر رکھتے ہیں. محمد کے حالات زندگی کے بارے میں بے شمار کتب موجود ہیں جو کم از کم مسلمانوں کے نکتہ نظر سے، ثابت کرتی ہیں کہ وہ سب سے آخری نبی تھے. محمد نے اپنے معتقدین کو یہ بھی یقین دلایا تھا کہ عیسیٰ آسمانوں سے نہیں اترے تھے (قران سورہ مائدہ 17:75 اور سورہ مریم 30:38)اور جو بھی ایسا سمجھتا ہے وہ تا ابد دوزخ کی آگ میں جلے گا. مسلمان اس کو حرف آخر سمجھتے ہیں.

تو پھر آپ اسلام کو کیوں نہیں اپنا لیتے؟ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ ہی واحد اور حقیقی خدا نہیں ہے؟ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ جبرائیل محمد کے پاس غار میں ملنے نہیں

آتے تھے؟ بے شک آپ ایسا نہیں کر سکتے. مگر آپ کو ان عقیدوں کو مسترد کرنے کی ضرورت نہیں ہے. اللہ اور محمد کی حقانیت کو صحیح ثابت کرنے کا بوجھ تو مسلمانوں کے کندھوں پر ہے. اور وہ ابھی تک نہ تو یہ کر پائے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں. مسلمانوں کے عقیدوں کا قابل ثبوت حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے. یہ بات کسی بھی ایسے شخص کو صاف ظاہر ہے جس کے حواس ابھی تک اسلامی عقیدے سے شل نہیں ہو پائے ہیں.

سچ یہ ہے کہ جہاں تک اسلام سے الحاد کا تعلق ہے تو وہ تو آپ کو بطور مسیحی بڑا صاف سمجھ آتا ہے. کیا یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ مسلمان بس اپنے آپ کو ہی بیوقوف بنا رہے ہیں؟ کیا یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ جو بھی قران کو کسی خدا کا کلام سمجھتا ہے اس نے ابھی تک اس کتاب کو تنقیدی ذہن کے ساتھ پڑھا ہی نہیں ہے؟ کیا یہ صاف ظاہر نہیں کہ اسلامی عقیدوں پر اندھا ایمان ایک سچی تفتیش کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے؟ ہاں بالکل صاف ظاہر ہے. بس اب یہ سمجھ جائیں کہ جیسے آپ اسلام کو دیکھتے ہیں عین اسی طرح مسلمان مسیحی مذہب کو دیکھتے ہیں. اور یہ عین ایسا ہے جیسا میں تمام مذاہب کو دیکھتا ہوں.

بائبل کی دانائی

آپ کا ایمان ہے کہ انسان کی بھلائی کے لیے مسیحی مذہب سے بہتر کوئی منبع نہیں ہے. آپ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ نے محبت، ہمدردی اور بے غرضی کو جو پیام دیا ایسا کوئی بھی نہیں دے سکا. آپ کا یقین ہے کہ چونکہ بائبل تقریباً دو ہزار سالوں سے انسانوں کی نکتہ چینی کا کامیابی سے مقابلہ کرتی رہی ہے تو یہ آسمانی کلام ہی ہو سکتا ہے. آپ کے یہ تمام عقیدے جھوٹ پر مبنی ہیں.

اخلاقیات کے سوالوں کا بنیادی تعلق انسانوں کی خوشی اور تکلیف سے ہوتا ہے. اسی لیے میں اور آپ پتھروں کے ساتھ اخلاقی رویے رکھنے سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں. باقی ذی روح مخلوقات کے ساتھ، البتہ، ہماری اخلاقیات کا تعلق ان پر اس کے اچھے یا برے اثرات کے ہونے تک ہے. اس لیے یہ سمجھنا کہ بائبل اخلاقیات کا بہترین درس دیتی ہے ایک حیران کن بات کے علاوہ کچھ بھی نہیں. آیئے دیکھتے ہیں کہ کیوں؟

1. والدین کے لیے اپنی اولاد کی تربیت کے بارے میں بائبل کے احکامات سیدھے سیدھے ہیں:

2. جب بھی وہ نافرمانی کریں ان کو ڈنڈوں سے مارا جائے (پرووربز ۲۴:۱۳، ۲۰:۳۰ اور ۱۳:۲۳، ۲۳:۱۴)

3. اگر وہ اتنے بد تمیز ہوئے کہ ہمیں واپس جواب دیں تو ہمیں ان کو قتل کر دینا چاہیے (ایکسوڈس ۲۱:۱۵، لیویٹکس ۲۰:۹، ڈیوٹرونومی ۲۱:۱۸ سے ۲۱:۲۱ تک، مارک ۷:۹ سے ۱۳:۷ تک، اور میتھیو ۴:۱۵ سے ۷:۱۵ تک)

4. ہمیں لوگوں کو بدعت، زنا، جادوگری، ہم جنس پرستی، ہفتے کے دن کام کرنے پر، نقش کی ہوئی شبیہوں کی پوجا کرنے پر اور بہت سارے اور اس طرح کے جرائم پر سنگسار کر دینا چاہیے.

آیئے اب ہم آپ کو بائبل میں سے خدا کی لازماں دانائی کی ایک مثال دیتے ہیں:

"اگر تمہارا بھائی، تمہاری ماں کا بیٹا، یا بیٹا، یا بیٹی، یا تمہارے قریب ترین

دوست کی بیوی، یا تمہارا ایسا دوست جو تمہاری روح سے بھی زیادہ تمہارے نزدیک ہو، تمہیں خفیہ طور پر ورغلاتا ہے کہ 'چلو کسی اور خداؤں کی خدمت کرتے ہیں' تو نہ ہی اس کی باتوں میں آنا اور نہ ہی اس کی سننا، نہ ہی اس پر ترس کھانا، نہ ہی اس کو جانے دینا، نہ ہی اس کو چھپانا، بلکہ اس کو قتل کرنا. سب سے پہلے تمہارا ہاتھ بڑھے اس کو مارنے کے لیے اور پھر باقی سب کا. اس کو پتھر مار مار کر قتل کرنا کیونکہ اس نے تمہیں تمہارے خدا سے، جو تمہیں مصر کی غلامی کی زندگی سے نکال لایا تھا، دور کرنے کی کوشش کی.....اگر تم اپنے شہر میں ....ایسی کوئی بات سنو.....تو خوب ڈھونڈو ان لوگوں کو. اور جب مل جائیں تو ان سے سچ دریافت کرو. اور اگر یہ سچ نکلا کہ انہوں نے واقعی ایسی مکروہ بات کی ہے تو شہر کو پوری طرح سے تباہ کر دو اور اس کے تمام لوگوں کو اور مویشیوں کو قتل کر دو." *Deuteronomy 13:6, 8-15*

بہت سارے مسیحی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰ نے یہ تمام بربریت ختم کر دی تھی اور صرف محبت اور برداشت کا سبق دیا تھا. ایسا نہیں ہے. حقیقت یہ ہے کہ بائبل میں کئی جگہ پر، جیسے میتھیو ۵:۱۸ اور ۵:۱۹ میں، عیسیٰ نے بائبل کے تمام قوانین کی پرزور الفاظ میں تصدیق کی ہے. عیسیٰ کے حواری بھی ان کی اس معاملے میں تائید کرتے ہیں (دیکھئے ۲ ٹمو تھی ۳:۱۶ اور ۳:۱۷).

یہ سچ ہے کہ عیسیٰ نے محبت، صدقے اور معافی کے بارے میں چند گہری باتیں کی ہیں.

سنہرا اصول واقعی ایک حیرت انگیز فرمان ہے. مگر عیسیٰ سے صدیوں پہلے کے بھی کئی رہنما جیسے زورواستر، بدھا، کنفیوشس، اپیکٹٹس وغیرہ بالکل یہی بات کر چکے ہیں. جبکہ لاتعداد دینی کتب ایسی ہیں جو انسانی بھائی چارے اور محبت پر بائبل کی تشدد والے احکامات کے بغیر اظہار کر چکی ہیں. اگر آپ کا خیال ہے کہ مسیحی مذہب سے زیادہ کبھی رحم دلی اور محبت پر ایسی باتیں نہیں کی گئی ہیں تو آپ نے دنیا کے دوسرے مذاہب کا مطالعہ ہی نہیں کیا.

جین دھرم کی ہی مثال لے لیجیے. یہ مذہب تشدد کے یکسر خلاف ہے. اگرچہ یہاں بھی بہت ساری ایسی باتوں پر یقین کیا جاتا ہے جو ناممکنات میں شامل ہیں مگر اس میں مسیحیت کے مذہبی تحقیقات کے وقتوں والی ایذاءرسائی نہیں ہے. آپ شاید سمجھتے ہونگے کہ ان ادوار میں مسیحیت کی 'اصل' روح کو بگاڑ دیا گیا تھا. مسئلہ یہ ہے کے بائبل کی تعلیمات اتنی گڈمڈ اور خود تردیدی ہیں کہ مسیحی بڑے اطمینان کے ساتھ پانچ سو سال تک 'لادینوں' کو زندہ جلاتے رہے. یہ بات اس حد تک چلی گئی تھی کہ مسیحی مذہب کی انتہائی قابل احترام شخصیات، جیسے سینٹ آگسٹائن، نے بھی اس تشدد کی تائید کی تھی. سینٹ اکویناس نے تو سیدھا سیدھا قتل کرنے کا ہی کہہ دیا تھا. مارٹن لوتھر اور جان کیلون لادینوں، ملحدوں، یہودیوں اور جادوگرنیوں کے تھوک کے حساب سے قتل کے حامی تھے. اب آپ کی مرضی ہے اگر آپ سمجھنا چاہیں کہ جہاں مسیحی مذہب کی یہ تمام عظیم اور بااثر ہستیاں بائبل کے صحیح پیغام کو پڑھنے میں ناکام ہو گئیں تھیں وہاں آپ اسی کتاب میں سے محبت اور بھائی چارے کے اسباق ڈھونڈ لائے ہیں.

بے شک بہت سارے مسیحی اس بات پر متفق ہیں کہ مارٹن لوتھر کنگ جونیئر جیسا بے

ضرر شخص مسیحی مذہب کا بہترین نمائندہ ہے. مگر اس سوچ کے ساتھ ایک بہت سنجیدہ مسئلہ منسلک ہے. اور وہ یہ ہے کہ مسیحی مذہب کے نظریے کے مقابلے میں جین دھرم کسی کو مارٹن لوتھر کنگ جونئیر جیسی شخصیت میں ڈھالنے کے لیے بدرجہا زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے. مارٹن لوتھر کنگ جونئیر بلاشبہ اپنے آپ کو ایک دیندار مسیحی ہی سمجھتا تھا مگر اس نے خود مانا ہے کہ اس نے تشدد سے نفرت موہنداس کرمچند گاندھی سے سیکھی تھی. بلکہ وہ بذات خود ۱۹۵۹ میں ہندوستان گیا تھا تاکہ گاندھی کے شاگردوں سے عدم تشدد کے اصول براہ راست سیکھ سکے. اور گاندھی نے عدم تشدد کہاں سے سیکھا؟ جین دھرم سے.

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ نے صرف محبت، بھائی چارے اور برداشت کا سبق دیا تھا تو آپ کو چاہیے کہ آپ ذرا عہد نامہ جدید کو دوبارہ پڑھ لیں. اپنی خاص توجہ اس ذکر کو دیں جب عیسیٰ آسمانوں سے بادلوں کے جلوس میں دوبارہ زندہ واپس زمین پر آئیں گے:

> "خدا وہی کرے گا جو صحیح ہے. وہ انہی کو تکلیف پہنچاتا ہے جو تمہیں تکلیف دیتے ہیں.....جب یسوع آسمان سے طاقتور فرشتوں اور دہکتے ہوئے شعلوں کے ساتھ ظاہر ہو تو ان لوگوں کو بھی جو ان کو خدا نہیں جانتے اور ان کو بھی جو انجیل کی اطاعت نہیں کرتے سزا دے گا. انہیں ہمیشہ تباہی کی سزا دی جائیگی اور انہیں خداوند کے ساتھ رہنے کا موقع نہیں ملے گا اور انہیں اس کی شاندار طاقت کے سامنے سے ایک طرف دکھیل دیا جائیگا." *2 Thessalonians 1:6-9*

> "اگر کوئی شخص مجھ میں قائم نہ رہا تو اس کی مثال اس شاخ کی ہے جسے

پھینک دیا جاتا ہے. اور وہ شاخ مردہ ہو جاتی یعنی سوکھ جاتی ہے. اور سوکھی شاخوں کو اٹھا کر جلا دیا جاتا ہے."--- John 15:6

اگر ہم یسوع کی آدھی باتیں سنجیدگی سے لیں تو مارٹن لوتھر کنگ جونیئر اور اسیسی کے سینٹ فرانسس کی رحم دلانہ سوچ سمجھ میں آتی ہے. اور اگر ان کی باقی آدھی باتوں کو سنجیدگی سے لیں تو پھر تحقیقات کی ایذا رسائی کی سمجھ. بائبل اخلاقیات کو جو بھی بہترین رہنما سمجھتا ہے تو پھر اس شخص کی رہنمائی اور اخلاقیات کے بارے میں سوچ ہی بڑی عجیب و غریب ہے.

چلیں بائبل کی دانائی جاننے کے لیے ان سوالات کو دیکھتے ہیں جن کے انسانیت نے اب تک تسلی بخش جوابات ڈھونڈ لیے ہیں. غلامی کو ہی لے لیجیے. پوری مہذب دنیا اب اس بات پر متفق ہے کہ غلامی ایک لعنت ہے. تو چلیے دیکھتے ہیں ابراہیم کا خدا ہمیں غلامی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ بائبل کو پڑھ لیجئے تو آپ کو پتہ چل جائیگا کہ وہ غلامی کو کیسے دیکھتا ہے:

"جہاں تک تمہارے نر اور زنانہ غلاموں کا تعلق ہے، تم انہیں اپنے آس پاس کی قوموں سے خرید سکتے ہو. تم انہیں ان اجنبیوں اور ان کے خاندانوں میں سے بھی خرید سکتے ہو جو تمہارے پاس ٹھہرے ہوئے ہوں یا تمہاری زمین پر پیدا ہوئے ہوں اور وہ تمہاری جائیداد بن سکتے ہیں. تم ان کو اپنی اولاد کے لیے بطور ورثہ چھوڑ کر جا سکتے ہو تاکہ ہمیشہ ان کی ملکیت میں رہیں؛ ان کو تم غلام بنا سکتے ہو، مگر اپنے اسرائیلی بھائیوں پر، یا ایک دوسرے پر، تم سختی سے حکمرانی نہیں کرو گے." leviticus

25:44—46

بائبل ہر شخص کو اپنی بیٹی کو بھی جنسی غلامی میں بیچ دینے کی اجازت دیتی ہے، بس کچھ احتیاط لازم ہے:

"کوئی بھی آدمی اپنی بیٹی کو باندی کی طرح فروخت کرنے کیلئے طے کر سکتا ہے. اگر ایسا ہو تو اُس کے آزاد کرنے کے وہی اصول نہیں ہیں جو مرد غلام کو آزاد کرنے کے ہیں. اگر آقا اُس عورت سے جسے اُس نے پسند کیا ہے خوش نہیں ہے تو وہ اُس کے باپ کو واپس بیچ سکتا ہے. آقا کو اُسے غیر ملکیوں کو بیچنے کا اختیار نہیں ہے. کیونکہ یہ اُس کے ساتھ نا انصافی ہے. اگر باندی کا آقا اُس باندی سے اپنے بیٹے کی شادی کرنے کا وعدہ کرے تو اُس سے باندی والا سلوک نہیں کیا جائیگا. اُس کے ساتھ بیٹی والا سلوک کرنا ہو گا. اگر باندی کا آقا کسی دوسری عورت سے بھی شادی کرے تو اُسے چاہیے کہ اُن چیزوں کو مسلسل اُسے دیتا رہے جنہیں حاصل کرنے کا اختیار اُسے شادی سے ملا ہوا ہے. اُس آدمی کو یہ تین چیزیں اُس کے لیے کرنی چاہیئں. اگر وہ اُنہیں نہیں کرتا تو عورت آزاد کی جائیگی. اور اُسے کچھ ادا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی." exodus 21:7-11

غلاموں کے سلسلے میں خدا صرف ایک ہی حقیقی بندش ہم پر لگاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اُن کو اتنا بُری طریقے سے نہ ماریں کہ ان کی آنکھوں یا دانتوں کو نقصان پہنچے (ایکسوڈس ۲۱). یہ سوچنا اب زیادہ مشکل نہیں ہے کہ امریکہ سے غلامی کے خاتمے کے لیے بائبل کی

دانائی سے کتنی مدد لی گئی ہو گی.

پورے عہد نامہ جدید (انجیل) میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں یسوع نے غلامی پر اعتراض کیا ہو. سینٹ پال نے تو بلکہ غلاموں کو تاکید کی تھی کہ اپنے آقاؤں کی عمومی طور پر اور اپنے مسیحی آقاؤں کی بطور خاص خوب خدمت کیا کریں:

"غلامو! اپنے زمینی آقاؤں کی کانپتے بدنوں، دلوں میں خوف اور یکسوئی کے ساتھ ایسی خدمت کیا کرو جیسا کہ یسوع کی" Ephesians 6:5

بائبل کے ان احکامات سے ظاہر ہے کہ امریکہ میں انسداد غلامی کے حامی جہاں اخلاقی طور پر مضبوط موقف پر تھے وہاں مذہبی نکتہ نظر سے ان کی دلیلوں میں اتنی جان نہیں تھی. جیسا کہ جناب رچرڈ فُلر نے ۱۸۴۵ میں لکھا تھا کہ، "جس کا خدا نے عہد نامہ قدیم (تورات) میں جواز دیا اور جس کی عہد نامہ جدید میں اجازت دی وہ گناہ نہیں ہو سکتا." یہ محترم بڑے محفوظ مقام سے بات کر رہے تھے. مسیحی مذہب میں بائبل کی معاشرے کے ان عظیم، مگر آسان، اخلاقی مسائل پر احکامات میں کوتاہیوں کا کوئی علاج نہیں ہے.

اس کے جواب میں آپ جیسے مسیحی ہماری توجہ اس بات کی طرف دلاتے ہیں کہ امریکا میں انسداد غلامی کے حامیوں نے بھی اپنی مہم میں بائبل سے کافی مدد لی تھی. بے شک اُنہوں نے ایسا کیا تھا. سینکڑوں سالوں سے مسیحی اپنی ہر تحریک کا جواز، چاہے وہ اخلاقی ہو یا کوئی اور بائبل میں ڈھونڈتے چلے آرہے ہیں. مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ بائبل کو خدا کا کلام ماننا یہ معلوم کرنے کے لیے بہترین طریقہ ہے کہ لاکھوں معصوم انسانوں کو اغوا کر کے جبری غلام بنانا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے. میں بائبل کے غلامی پر احکامات

آپ کو پڑھا چکا ہوں. یہ حقیقت کہ انسداد غلامی کے حامیوں نے بائبل کی چند اچھی باتوں کو استعمال کر کے ایسے گھناونے احکامات کو مسترد کیا تھا اس بات کا قطعی کوئی ثبوت نہیں کہ یہ کتاب اخلاقیات پر رہنمائی کر سکتی ہے. نہ ہی یہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ایسے اخلاقی سوالات کے جوابوں کے لیے کسی کتاب کو رجوع کرنا ضروری ہے. جس لمحے انسان یہ محسوس کر لیتا ہے کہ غلام بھی اسی کی طرح کے انسان ہیں اور اسی کی طرح خوشی اور درد کا احساس رکھتے ہیں اُسی لمحے سے اُس کو غلام رکھنا ایک مکروہ فعل لگنا شروع ہو جاتا ہے. اس حقیقت تک پہنچنا ایک انتہائی آسان بات ہے. پھر بھی امریکہ کے اتحادی جنوب کے کٹر دین داروں کو یہ بات اکثر بندوق کی نالی پر سمجھانا پڑی.

چلیے ایک اچٹتی سے نگاہ موسیٰ کے دس قوانین پر بھی ڈال لیتے ہیں کیونکہ زیادہ تر امریکی ان کو قانونی اور اخلاقی طور پر لازم سمجھتے ہیں. اگرچہ امریکی قانون میں کہیں بھی لفظ 'خدا' کا استعمال نہیں کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو بوقت تشکیل ایک لادین دستاویز کہہ کر کافی بدنام بھی کیا گیا تھا، بہت سارے امریکی یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی قوم کی بنیاد پڑی ہی یہود و نصاریٰ کے اصولوں پر ہے. عجیب بات تو یہ ہے کہ ان دس قوانین کو اس بات کا ایک حتمی ثبوت بھی بتایا جاتا ہے. اگرچہ ان قوانین کی امریکی تاریخ کے ساتھ مُناسبت پر کافی سوال اٹھائے جا سکتے ہیں، ہمارا ان کے لیے احترام حادثاتی نہیں ہے. یہ آخر کار بائبل کے ایسے گہرے پیغامات میں سے ہیں کہ جن کو بذات خود پتھر پر لکھنا رب کائنات نے ضروری سمجھا. تو اس لحاظ سے ہر کسی کو یہ توقع رکھنی چاہیے کہ یہ دنیا کے کسی بھی مضمون پر کسی بھی زبان میں عظیم ترین سطور ہوں گی. پڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں پھر:

1. تم میرے علاوہ کوئی خدا نہیں رکھو گے.
2. تم اپنے لیے منقش شبیہیں نہیں بناؤ گے.
3. تم ویسے ہی فضول میں اپنے خدا کا نام نہیں لو گے.
4. سبت کا دن یاد رکھو اور اسے مقدس رکھو.
5. اپنے ماں باپ کی عزت کرو.
6. تم قتل نہیں کرو گے.
7. تم زنا نہیں کرو گے.
8. تم چوری نہیں کرو گے.
9. تم اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دو گے.
10. تم اپنے پڑوسی کے گھر کی لالچ نہیں کرو گے، نہ ہی اُس کی بیوی کی، نہ ہی اُس کے نوکر کی، نہ ہی اُس کی نوکرانی کی، نہ ہی اُس کے بیل کی، نہ ہی اُس کے گدھے کی، نہ ہی اُس کی کسی چیز کی.

تو لگے ہاتھوں ان عظیم ترین قوانین کا ایک مختصر سا تجزیہ بھی کر لیتے ہیں.

پہلے چار احکامات کا اخلاقیات کے ساتھ قطعی کوئی تعلق نہیں بنتا. جیسے پہلے کہا گیا ہے یہ غیر یہود و نصاریٰ مذاہب (جیسے ہندو مت) ، مذہبی نقش کاری، 'خدا کی لعنت ہو تجھ پر' جیسے کلمات اور سبت کے دن روزمرہ کے کاموں سے موت کی دھمکی پر ممانعت سے تعلق رکھتے ہیں. اب تو یہ آپ کی سوچ پر منحصر ہے کہ آپ ان کو انسانی تہذیب کی ترقی کے لیے کتنا اہم سمجھتے ہیں. حکم نمبر پانچ سے لے کر نو تک کا تعلق البتہ اخلاقیات سے ہے. مگر سوال

یہ ہے کہ کتنے انسانوں نے ان کی وجہ سے اپنے ماں باپ کی عزت کی اور چوری چکاری، زنا کاری، ہمسائے کے خلاف جھوٹی گواہی اور قتل سے پرہیز کیا؟

ایسی ممانعتیں دنیا کے تمام معاشروں کے بارے میں لکھی ہوئی تواریخ میں پائی جاتی ہیں. ان کے بائبل میں لکھے ہونے سے کوئی خاص چیز اخذ نہیں کی جاسکتی. بڑی ہی صاف حیاتیاتی وجوہات ہیں کہ لوگ اپنے والدین کی عزت کیوں کرتے ہیں اور قاتلوں، زناکاروں، چوروں اور جھوٹوں کو بُرا کیوں سمجھتے ہیں. یہ تو ایک سائنسی حقیقت ہے کہ اخلاقی جذبات، جیسے انصاف پسندی اور ظلم سے نفرت، ان صحیفوں سے کہیں پہلے کی انسان میں موجود تھیں. یہ جذبات تو انسانیت کی شروعات سے بھی پہلے کے ہیں. ہمارے بندر رشتے دار بھی اپنے قبیل والوں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں اور عمومی طور پر قتل اور چوری کو برداشت نہیں کرتے. وہ دھوکہ اور جنسی دغا بازی کو بھی پسند نہیں کرتے. چمپنزی بندروں میں بطور خاص ایسے جذبات دیکھے گئے ہیں.

اسی لیے ایک عام امریکی کا کسی عدالت کے باہر ان احکامات کو سنگ مرمر پر کندہ پڑھ کر اخلاقی ہدایات حاصل کر لینا محال ہی ہے. اور اس امر کا کیا کیا جائے کہ رب کائنات کو اپنی اس عظیم الشان دستاویز کے اختتام کے لیے انسانیت کے بے شمار فوری طور پر حل طلب مسائل میں سے صرف ہمسائے کے گدھوں، بیلوں اور نوکروں کی لالچ کی ممانعت سے بڑھ کر کوئی مسئلہ نظر نہیں آیا.

اگر ہم نے بائبل کے خدا کو سنجیدگی سے لینا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ یہ لچک ہی نہیں دیتا کہ موسیٰ کے احکامات میں سے ہمیں جو پسند ہیں وہ اختیار کریں اور باقی کو مسترد کر دیں. نہ

ہی وہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ان کو توڑنے کی سزاؤں میں بھی کوئی تخفیف لائی جاسکتی ہے.

اگر آپ کا خیال ہے کہ خدا کے اخلاقیات پر ان دس احکامات میں بہتری لانا ممکن ہی نہیں ہے تو آپ پر لازم ہے کہ چند اور صحیفے بھی پڑھ لیں. ایک دفع پھر جین دھرم کی طرف ہی نگاہ ڈال لیتے ہیں. ان کے بزرگ مہاویرا نے صرف ایک جملے سے ہی پوری بائبل کی اخلاقیات کو مات دے دی:

" کسی بھی ذی روح کو زخمی مت کرو، اُس کے ساتھ بُرا برتاؤ مت کرو، اُس پر جبر و ستم مت کرو، اُس کو غلام مت بناؤ، اُس کی توہین مت کرو، اُس پر تشدد مت کرو، اُس کو عذاب مت دو، اُس کی جان مت لو."

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ ہماری آج کی دنیا کتنی مختلف ہوتی اگر بائبل اس ایک ہدایت کو اپنا مرکزی نظریہ بنالیتی؟ مسیحیوں نے صدیوں تک اسی بائبل سے سبق لے کر خدا کے نام پر لوگوں کی توہین کی، عذاب دیا، تشدد کیا، جبر و ستم کیا، غلام بنایا، عذاب دیا اور اُن کا قتل عام کیا. جین دھرم کے اصول اگر اپنائے جاتے تو انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا ناممکن ہوتا. پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بائبل اپنے سینے میں انسانیت کے لیے اخلاقیات پر بہترین سبق لیے بیٹھی ہے؟

اصلی اخلاقیات

آپ سمجھتے ہیں کہ جب تک بائبل کو خدا کا کلام نہ سمجھ لیا جائے تب تک اخلاقیات کا کوئی عالمی پیمانہ ہو ہی نہیں سکتا. مگر ہم با آسانی ایسے منبعوں کی نشان دہی کر سکتے ہیں جن کو ایک قانون ساز خدا کی ضرورت ہی نہیں ہے. کسی بھی ضروری قرار واقعی اخلاقی سچائی کو

جاننے کیلئے، اس دنیا میں خوشیوں کے حصول کے لیے بہتر اور خراب معیاروں کا موجود ہونا ہی کافی ہے. اگر ایسے نفسیاتی قوانین ہوں، جو انسانی بھلائی کو مخاطب رکھتے ہوں، تو پھر اس موضوع پر اُن بنیادی قوانین کا علم رکھنا ضروری ہو گا. جہاں ہمارے پاس انسانی اخلاقیات کا ایسا کوئی آخری سائنسی معیار موجود نہیں ہے، وہاں ہم با آسانی کم از کم یہ بات تو کر سکتے ہیں کہ اپنے ہمسایوں کا قتل اور ان کی جبری آبروریزی اس کا بنیادی جزو نہیں ہو سکتی. انسانیت کا ہر تجربہ یہ سکھاتا ہے کہ اس کے پنپنے کے لیے محبت نفرتوں سے زیادہ ضروری ہے. یہ بیان انسان کے ذہن، انسانی معاشرے کے محرکات اور اس دنیا میں اخلاقیاتی نظام کے بارے میں ایک عالمی حقیقت پر مبنی ہے. ہٹلر کو ان آسمانی صحیفوں کے بغیر ہی ایک اخلاقی مجرم گردانا جاسکتا ہے.

اوروں کے لیے محبت رکھنا انسان کی اپنی خوشی کے لیے ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتا ہے. اس کا مطلب ہوتا ہے کہ جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان کی خوشیوں اور دُکھوں کے بارے میں گہری فکر رکھتے ہیں. ہماری اپنی ذاتی خوشیوں کی جستجو ہمیں خود غرضی سے دور اور قربانیوں کے نزدیک لے آتی ہے. اس میں تو کوئی بحث ہے ہی نہیں کہ ایسے بھی وقت آتے ہیں جب دوسروں کی بھلائی کے لیے قربانیاں دینا ہمارے اپنے ذاتی سکھ چین کے لیے ضروری ہوتا ہے. اس طرح کے رشتوں ناتوں کے بننے اور سنورنے کے لیے اندھے عقیدوں پر ایمان کی ضرورت نہیں ہے. انجیل میں مختلف مقامات پر یسوع ہمیں بتاتے ہیں کہ محبت انسانی زندگی کو تبدیل کر دیتی ہے. اس بات پر عمل کرنے کے لیے ہمیں یہ عقیدہ پالنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ایک کنواری عورت کی اولاد تھے اور دوبارہ زندہ ہو کر اس

دنیا میں مہاسورما کی شکل میں واپس آئیں گے.

مذہب کے سب سے تباہ کن اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اخلاقیات کو انسانوں اور جانوروں کی تکلیف سے جُدا کر کے رکھ دیتا ہے. مذہب انسان کو ایسے حالات میں جب وہ دوسرے انسانوں پر بے انتہا مظالم ڈھا رہا ہوتا ہے اس بات کی تسلی اور سکون دیتا ہے کہ اس کا عمل اخلاقی، شرعی اور جائز ہے. جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے. یہ امر اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ جیسے مسیحی حضرات اپنی 'اخلاقی توانائیاں' دنیا میں ہونے والی بڑی نسل کشیوں کے خلاف لڑنے کی بجائے اسقاط حمل کی مخالفت میں لگا دیتے ہیں. اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ لوگوں کو کیوں ماں کے پیٹ میں دو ماہ کے بچے کی زیادہ فکر کھائے جاتی ہے جب کہ زندہ لوگوں کو صحتمندانہ زندگیاں بخشنے والی خُلیاتی تحقیق کو آپ سے مخالفت ملتی ہے. اور اس بات کی بھی وضاحت مل جاتی ہے کہ آپ افریقہ میں ایڈز جیسی موزی بیماری کے، جس سے ہر سال وہاں لاکھوں لوگ مر جاتے ہیں، عام ہونے کے باوجود کیوں وہاں کے لوگوں کو پھر بھی مباشرت کے لیے حفاظتی تدابیر کے استعمال سے روکتے ہیں.

آپ یقین رکھتے ہیں کہ ہم بستری کے بارے میں آپ کے مذہبی عقائد کا اخلاقیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے. در حقیقت انسانیت کو تکلیفوں سے چھٹکارا دلوانا آپ کی ترجیحات کی فہرست میں اگر کہیں ہوا بھی تو بہت نیچے درج ہو گا. آپ کو زیادہ فکر تو اس بات کی ہے کہ یہ رب کائنات کہیں لوگوں کے بستر پر اپنے نجی وقت میں بغیر کپڑوں کی چند حرکات سے ناراض ہی نہ ہو جائے. آپ کی یہ معقولیت روزانہ دنیا میں انسانوں کے مصائب میں اضافہ

کرتی جارہی ہے. HPV وائرس کی ہی مثال لے لیں. یہ امریکہ میں جنسی عمل سے پھیلنے والی سب سے عام بیماری ہے. یہ آدھے سے زیادہ امریکیوں کو لگی ہوئی ہے اور خواتین میں عنقی سرطان کا سبب بنتی ہے. ہر سال یہ بیماری امریکہ میں تقریباً پانچ ہزار اور پوری دنیا میں دولاکھ خواتین کو موت کی نیند سُلا دیتی ہے. اب اس کے خلاف ایک ایسا حفاظتی ٹیکا نکل آیا ہے جو بھرپور اثر بھی رکھتا ہے اور سو فی صد محفوظ بھی ہے. پھر بھی مسیحی قدامت پسند اس ٹیکے کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں یہ شادی سے پہلے مباشرت کے رُجحان کو فروغ دے گا. ان نیک لوگوں کو ہزاروں خواتین کی عنقی سرطان سے اموات کی کوئی پرواہ نہیں ہے.

مسئلہ یہ ہے کہ آپ جیسے مسیحی حضرات کو نہ تو شادی سے پہلے مباشرت کے نتیجے میں کسی کنواری لڑکی کے حمل ٹھہرنے کی اتنی فکر ہے اور نہ ہی اس سے بیماریاں پھیلنے کے خدشے کی. مطلب کہنے کا یہ ہے کہ آپ کو جنسی عمل کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں سے زیادہ خود اس عمل سے تشویش ہوتی ہے. بلکہ حفاظتی تدابیر کی حکومتی کمیٹی کے ایک اناجیلی ممبر تو یہاں تک چلے گئے کہ انہوں نے لاکھوں مریضوں کی جانوں کی پرواہ کیے بغیر AIDS جیسی بیماری کے توڑ HIV ویکسین کی بھی مخالفت کرڈالی. صرف اس لیے کہ ایسا ویکسین شادی سے پہلے کی مباشرت کو محفوظ بنا کر اس کی حوصلہ افزائی کا باعث بن سکتا ہے. ایسے ہی بہت سارے اور نکتے ہیں جن پر آپ کا مذہب بطور خاص زہر آلود توجہ رکھتا ہے.

آپ کی خُلیاتی تحقیق کی مخالفت بھی ایسی ہی فحش ہے. حقیقت کچھ یوں ہے. خُلیاتی تحقیق پچھلی صدی کی تمام امید افزا طبی تحقیقات میں سے ایک شاندار ترین تحقیق ہے. یہ ہر انسانی بیماری اور جسمانی صدمے کے علاج کی اُمید دلاتی ہے. صرف اس لیے کہ یہ بنیادی

خُلیے انسانی جسم کے ہر ریشے کی شکل اختیار کر سکتے ہیں. یہ تحقیق سرطان کو اور انسان میں اور بہت ساری نشو نمائی بد نظمیوں کو سمجھنے میں بھی بے پناہ مدد گار ثابت ہونے کا وعدہ رکھتی ہے. قصہ مختصر یہ کہ خُلیاتی تحقیق کے ممکنہ فوائد اتنے لاتعداد ہیں کہ ان سب کا یہاں درج کرنا ذرا مشکل ہے. بے شک یہ بھی سچ ہے کہ اس تحقیق کے لیے ۳دن کے انسانی جنین کے خُلیے کی ضرورت پڑتی ہے. اور یہی امر آپ کے لیے باعث فکر ہے.

آیئے خُلیاتی تحقیق کی تھوڑی سی تفصیل جان لیں. ماں کے پیٹ میں تین دن کے حمل کا بچہ بُنیادی طور پر ۱۵۰ خُلیوں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے. اس کا پیمانہ سمجھنے کے لیے یہ جان لیں کہ مکھی کے ذہن میں ایک لاکھ خُلیے ہوتے ہیں. انسانی بچے کی یہ بُنیادی شکل جو خُلیاتی تحقیق میں استعمال ہوتی ہے نہ تو ذہن رکھتی ہے اور نہ ہی حواس. لہذا اس یقین کی کوئی وجہ نہیں بنتی کہ یہ خُلیے اس تحقیقی عمل کے دوران کسی طرح کی اذیت محسوس کرتے ہوں گے. اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ فی الوقت، اگر کسی شخص کا ذہن مر جائے تو دفنانے سے پہلے اس کے اعضا اکٹھے کرنے کو قابل قبول سمجھا جاتا ہے (اگر اُس نے ان کے عطیہ کرنے کا کہا ہو تو). اگر کسی ذہنی طور پر مرے ہوئے انسان کے لیے یہ قابل قبول سمجھا جا سکتا ہے تو پھر ۱۵۰ خُلیوں کے ایک مجموعے کے لیے کیوں نہیں جس نے ابھی انسانی صورت ہی اختیار نہیں کی؟ اگر آپ کو ذی روح چیزوں کی تکلیف کا اتنا ہی احساس ہے تو پھر ایک مکھی کی موت کو تو آپ کو اس سے بھی کہیں زیادہ اخلاقی مشکلات میں ڈال دینا چاہیے.

شاید آپ اس کا جواب یوں دیں گے کہ ماں کے پیٹ میں ایک بنیادی انسانی خُلیے اور مکھی کا فرق انسانی خُلیے کی مستقبل میں ایک مکمل انسان بننے کی خاصیت میں ہے. مگر یوں تو ہر

انسانی خُلیے میں ایک مکمل انسان بننے کی صلاحیت موجود ہے. پھر تو جو ہر بار جب آپ اپنی ناک پر کھجلی کر کے تھوڑا سا خون نکال لاتے ہیں، گویا ایک پوری انسانیت کا قتل کر دیتے ہیں. یہ حقیقت ہے. تحقیقاتی خُلیے کی مکمل انسان بن جانے کی صلاحیت والی دلیل آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑتی.

چلیے ایک لمحے کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ تین دن کی عُمر کے ایک بنیادی خُلیے کی روح ہوتی ہے. پر اس منزل پر آ کر خُلیے تقسیم ہو کر کبھی کبھار علیحدہ مماثل جڑواں انسانوں میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں. تو کیا ایک روح اب دو میں تقسیم ہو گئی؟ بسا اوقات دو مختلف خُلیے مل کر ایک واحد انسان بھی بنا ڈالتے ہیں (جس کو chimera کہتے ہیں). آپ خود یا آپ کا کوئی جاننے والا شاید اس طرح بنا ہو. ماہرین دینیات ابھی تک اسی بات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اس فالتو روح کا کیا کیا جائے. کیا اب وقت آ نہیں گیا کہ روحوں کے اس فضول حساب کتاب سے نکل لیا جائے؟ یہ خیال ہے ہی احمقانہ. خاص کر اگر اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ یہ اب سائنس کی تاریخ کی سب سے اُمید افزا تحقیق میں رُکاوٹ بنا ہوا ہے. تاریخ کے اس لمحے میں آپ کا انسانی روح کے بارے میں یہ عقیدہ کروڑوں لوگوں کی تکلیفوں میں اضافہ کرتا جا رہا ہے.

آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی حمل ٹھہرنے کے لمحے سے ہی شروع ہو جاتی ہے اور ان تین دن کے خُلیوں کی بھی روح ہوتی ہے. اور آپ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس تین دن کی روح کا اور اس 14 سال کی بچی کی روح کا جس کا جسم کسی جلنے کے حادثے میں ۷۵ فی صد جل چکا ہو زندگی پر مساوی حق حاصل ہے. مذہبی نامعقولیت کو عام زندگی میں اب اتنی جگہ دی جا چکی

ہے کہ چند خُلیاتی تحقیق کے ماہرین بھی کہنے لگے ہیں آپ کی بات میں کچھ اخلاقی وزن ضرور ہے. ایسا ہر گز نہیں ہے. آپ کی خُلیاتی تحقیق کی مخالفت کی وجہ آپ کی اس کے بارے میں لاعلمی ہے. اس تحقیق کے لیے رقوم نہ دینے کا حکومت کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں بنتا. ہمیں اس پر بھرپور اور فوری طور پر کام شروع کر دینا چاہیے. صرف آپ جیسے مسیحیوں کے روح کے بارے میں عقیدوں کی وجہ سے ایسا ہو نہیں پا رہا. کئی امریکی ریاستوں نے تو اس پر کام کو ہی غیر قانونی قرار دے دیا ہے. مثلاً امریکی ریاست ڈکوٹا میں اس پر کام آپ کو کئی سالوں کے سلاخوں کے لیے پیچھے پھینک سکتا ہے.

حقیقت یہاں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے. جو بھی یہ سمجھتا ہے کہ تین دن کے انسانی خلیے کے وہی حُقوق ہیں جو ایک پندرہ سال کے ایسے بچے کے جس کی ریڑھ کی ہڈی کا نقص اُس کو تمام عمر ایک مفلوج زندگی گزرانے پر مجبور کر دے گا تو اُس کی اخلاقی حس مذہبی مابعد الطبیعات سے شل ہو چکی ہے. یہاں پر آ کر مذہب اور اخلاقیات کے آپس کا ربط ویسے ہی جھٹلایا جاتا ہے جیسا کے ہر اس موقع پر جہاں پر اندھا ایمان اخلاقی دلیل اور سچی ہمدردی پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے.

خدا کی راہ میں بھلائی کرنا

تو پھر اس حقیقت کا کیا کیا جائے کہ بہت سے لوگوں نے خدا کی راہ میں بہت سے اچھے کام بھی کیے ہیں؟ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کئی ایمان والوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے دلیرانہ کام کیے ہیں. پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے کام کرنے کے لیے کیا اندھا عقیدہ رکھنا ضروری ہے؟ اگر اپنے اندر ہمدردی کے جذبات جگانے کے لیے عقیدہ

ضروری ہے تو پھر ان بے شمار لادین ڈاکٹروں کے بارے میں کیا کہا جائے جو دنیا کے پسماندہ ترین اور شورش زدہ علاقوں میں خدمات سر انجام دیتے رہتے ہیں؟ بہت سارے ڈاکٹر بغیر کسی خدا کے تصور کے صرف انسانیت کو تکلیف سے نجات دلانے کے لیے ایسے کام کرتے ہیں. اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیحی تبلیغی بھی ایسے ہی کرتے ہیں مگر وہ اندھے ایمان کے خطرناک ہتھیاروں سے لیس ہو کر گھروں سے نکلتے ہیں. ایسی مہموں کے دوران یہی تبلیغی مصیبت زدہ لوگوں کو ان کی صحت کے بارے میں بہت سی ایسی معلومات فراہم نہیں کرتے جن کا مذہب سے ٹکراو کا خدشہ ہوتا ہے.

اگرچہ یہ تبلیغی بھی ایسے کام اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر کرتے ہیں مگر ان کا عقیدہ ساتھ ساتھ جہالت اور موت بھی تحفے میں دے کر جاتا ہے. اس کے بالمقابل لادین ڈاکٹر اپنا وقت آفت زدہ لوگوں کو یہ بتانے میں نہیں ضائع کرتے کہ یسوع ایک کنواری کا بیٹا تھا. نہ ہی وہ افریقہ میں، جہاں ہر سال AIDS کی بیماری سے چالیس لاکھ اموات ہوتی ہیں، مریضوں کو یہ بتاتے ہیں کہ جنسی عمل میں حفاظتی تدابیر اختیار کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے. جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے مسیحی تبلیغی اس بیماری کے ان پڑھ مریضوں کو ایسی تدابیر کے استعمال کو گناہ بتلاتے ہیں. یہ نیکی ہوئی یا ظلم؟ اس مقام پر ہم اب یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ کیا بہتر ہے. انسانیت کو صرف تکلیف سے نجات دلانے کے غرض سے اس کی خدمت کرنا یا کسی خدا کو خوش کرنے کے لیے ایسی خدمت کرنا جس میں آدھی معلومات چھپانے سے انسانیت کی اذیت میں اضافے کا خدشہ ہو؟

مدر ٹریسا اس بات کی ایک بہترین مثال ہے کہ مذہبی عقیدہ کیسے انسان کی ہمدردی کی

قدروں کو اُلجھا کر رکھ دیتا ہے. کرسٹوفر ہچنز اپنی امتیازی راست گوئی سے لکھتے ہیں:

"مدر ٹریسا غریبوں کی دوست نہیں تھی. وہ غُربت کی دوست تھی. وہ کہتی تھی کہ تکلیف خدا کی طرف سے ایک تحفہ ہوتی ہے. اُس نے اپنی زندگی غربت کے واحد علاج سے لڑنے میں لگا دی. اور وہ یہ ہے کہ عورت کو مویشوں والی لازمی پیدائشوں سے نجات دلا کر خود مختاری دلائی جائے."

اگرچہ میں اس بات پر کرسٹوفر ہچنز سے کافی حد تک متفق ہوں، اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مدر ٹریسا ہمدردی کی ایک بہت بڑی قوت تھیں. صاف طور پر وہ انسانی تکلیفوں سے ہل جایا کرتی تھیں اور اُنہوں نے ان مسائل کو اُجاگر کرنے کے لیے بہت کام بھی کیا. مصیبت دراصل یہ ہے کہ انہوں نے یہ ساری ہمدردانہ جد و جُہد مذہب کی آہنی چاردیواری کے اندر رہ کر کی تھی. اُنہوں نے اپنی نوبل انعام کی قبولیت کی تقریر میں کہا تھا:

"امن کا سب سے بڑا دشمن اسقاط حمل ہے.....دنیا کے بہت سے لوگوں کو ہندوستان اور افریقہ کے ایسے بچوں کی فکر ہے جو بھوک سے مر رہے ہیں مگر لاکھوں بچے ان کی ماؤں کی مرضی سے مر رہے ہیں. اور یہی بات آج امن کی تباہی کی سب سے بڑی سبب ہے. کیونکہ اگر ایک ماں اپنے بچے کا قتل کر سکتی ہے تو پھر آپ کو مُجھے اور مُجھے آپ کو قتل کرنے میں کیا رکاوٹ رہ جاتی ہے."

دنیا کے مسائل کی تشخیص کے لحاظ سے یہ ایک ششدر کر دینے کی حد تک گمراہ کُن بیان ہے. اخلاقیات کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی وزن نہیں ہے. اگر ماں کے پیٹ کے

ایک تین ماہ کے جنین سے مدر ٹریسا کو بنسبت جیتی جاگتی انسانیت کے دُکھوں کے زیادہ ہمدردی تھی تو ان کے اس جذبے کے پیمانے میں کوئی گڑبڑ تھی.

اگرچہ اسقاط حمل ایک بدصُورت حقیقت ہے، اور اُمید کی جاتی ہے کہ نئے مانع حمل کے طریقے اس میں ضرور کمی لے آئیں گے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ساقط کیے جانے والا جنین اس عمل میں کسی تکلیف سے گزرتا ہو گا؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی اس لمحے جب ہم کسی خدا کی خوشی اور ناراضگی کے چکر میں ایک جنین کے ممکنہ درد کے بارے میں سوچ رہے ہیں، لاکھوں زندہ لوگ حقیقی طور پر بے شمار جسمانی اور ذہنی بیماریوں کے کرب میں تڑپ رہے ہیں. اگر آپ کو انسانی تکالیف کا احساس ہے تو اسقاط حمل آپ کی فکروں میں کہیں نچلے درجے پر ہونا چاہیے. اور جہاں یہ معاملہ ابھی تک ترقی یافتہ ملکوں میں ایک اخلاقی مسئلے کے طور پر زیر بحث ہے وہاں دنیا کے چند ممالک میں اسقاط حمل کو پہلے ہی ایک جرم قرار دیا جا چکا ہے.

کیا ملحد بُرے ہیں؟

اگر آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ مذہب ہی اخلاقی اقدار کی اصل بنیاد ہے تو تو پھر ملحد ضرور برے ہوں گے. کیا ایسا ہی ہے؟ کیا اس دنیا میں ملحدوں کے جرائم کی شرح مذہبی گروہوں سے زیادہ ہے؟ چلیں اگر حتمی طور پر نہیں تو اتنا تو ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ملحد کم و بیش اتنے ہی اچھے یا بُرے ہوں گے جتنے کہ مذہبی گروہ. پھر بھی اس ملک میں ملحدوں سے باقی تمام گروہوں سے نسبتاً زیادہ نفرت کی جاتی ہے. ابھی حال ہی میں بہت سے یورپی ممالک میں مسلمانوں کے نبی کے مزاحیہ کارٹونوں کے سلسلے میں بڑے پُر تشدد مظاہرے ہوئے.

کیا آپ کو یاد پڑتا ہے کہ ملحدوں کا ایسا کوئی مظاہرہ کب ہوا تھا؟ کیا دنیا کا کوئی اخبار نویس ایسا ہے جسے ڈر ہو کہ اگر ملحدوں کے ایسے ہی کارٹون چھاپے تو اسے قتل کر دیا جائیگا؟

آپ جیسے مسیحی لا محالہ یہ بات کرتے ہیں کہ ہٹلر، سٹالن، ماؤ، پول پاٹ اور کم ال سنگ جیسے جنونیوں نے بھی تو الحاد کی کھوکھ سے جنم لیا تھا. اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ایسے لوگ اکثر منظم مذاہب کے خلاف ہوتے ہیں، یہ کبھی بھی معقول خیالات کے حامی نہیں ہوتے. در حقیقت ان کی عوامی تقریریں نسل، معاشیات، قومیت، تاریخ کے سفر اور دانشوری کے خطرات پر اختباطی سوچ کی عکاس ہوتی ہیں.

ایسے جابروں کے ساتھ مسئلہ ان کا مذہب کے رد کرنے میں نہیں ہے بلکہ چند اور تباہ کن نظریوں کا اختیار کر لینا ہے. یہ خود بھی ایک نیم مذہبی قسم کے نبی بن جاتے ہوتے ہیں اور اپنی تشہیر کے لیے مسلسل پروپیگنڈا پر انحصار کرتے ہیں. ایسے حکمران جو اپنے ہی لوگوں کے قتل عام پر صدارت کرتے ہیں مخبوط الحواس زیادہ اور دلیل کے امین کم ہوتے ہیں. مثلاً کم ال سنگ کا حکم تھا کہ اُس کی تمام رہائش گاہوں میں اُس کا بستر سطح سمندر سے ٹھیک ۵۰۰ میٹر کی بلندی پر ہونا چاہیے. اور اُس کے تکیوں میں ایک خاص قسم کی چڑیا کے گلے کے نیچے کے نرم ترین پر بھرے ہونے چاہیئں. صرف ایک تکیے کے لیے ایسے لاکھوں پرندوں کے پروں کی ضرورت پڑتی تھی. کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ ایسی سوچ ایک متوازن شخصیت کا پتہ دیتی ہے؟

دوسری جنگ عظیم میں نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی نسل کُشی کو ہی لے لیں. یہودیوں سے اُن کی یہ نفرت قرون وسطیٰ کی مسیحیت کا براہ راست ورثہ تھی. صدیوں سے

یوروپی مسیحی یہودیوں کو لادینوں کی بدترین نوع سمجھتے تھے اور اپنے معاشرے کی ہر برائی کو ان سے منسوب کرتے تھے. جرمنی اور تمام یورپ میں اس نفرت کی جڑیں مذہب سے ہی جا ملتی تھیں. ۱۹۱۴ء تک تو روم کے پادری خود اخباروں میں اس جھوٹ کی تشہیر کرتے رہے تھے کہ یہودی غیر یہودیوں کا خون اپنی مذہبی رسموں میں استعمال کرتے ہیں. مسلمان تو اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں. مسیحی مذہب کے دونوں بڑے فرقے نازیوں کے ساتھ اس شرم ناک نسل کشی میں ساز باز رکھتے تھے. نازیوں کے گیس چیمبر، روسی اشتمالیوں کا گولاگ اور کمبوڈیا کے خونی کھیت انسان کے زیادہ دلیل پسند ہونے کی نہیں بلکہ سیاسی اور نسلی عقیدوں پر اندھا ایمان رکھنے کے خطرات کی مثالیں ہیں.

وقت آگیا ہے کہ آپ جیسے مسیحی اب یہ دکھاوا چھوڑ دیں کہ اپنے مذہب کو عقلی بنیادوں پر رد کرنے کا مطلب الحاد پر اندھا ایمان لانا ہے. یسوع کی ولادت ایک کنواری لڑکی سے ہونے کو بعید از قیاس سمجھنے کے لیے کسی چیز کو بغیر ثبوت کے ماننا ضروری نہیں. مذہب کا مسئلہ نازی ازم، سٹالن ازم یا کسی بھی جابرانہ نظام کی طرح بنیادی طور پر عقیدے کا مسئلہ ہے. میں انسانی تاریخ کے کسی ایسے معاشرے کا علم نہیں رکھتا جو اس بات سے مصیبتوں کا شکار ہوا ہو کہ اس کے لوگ اپنے عقیدوں کو سہارا دینے کے لیے کچھ زیادہ ہی ثبوت مانگنا شروع ہو گئے تھے.

آپ سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مذہب کا خاتمہ ایک ناممکن بات ہے. مگر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں سے زیادہ تر یہ کام تقریباً سرانجام دے چکے ہیں. ناروے، آئس لینڈ، آسٹریلیا، کینیڈا، سوئٹزرلینڈ، بلجیم، جاپان، ہالینڈ، سویڈن، ڈنمارک اور برطانیہ

کرہ ارض پر کم ترین مذہبی ممالک ہیں. اقوام متحدہ کی انسانی ترقی کی ۲۰۰۵ کی رپورٹ کے مطابق یہ دنیا کے صحت مند ترین ممالک بھی ہیں. اس رپورٹ میں صحت مندی کی علامات میں اوسط عمر خواندگی بالغاں، فی کس آمدنی، تعلیمی معیار، جنس کی برابری، مردم کشی اور بچوں کی شرح اموات کو مد نظر رکھا گیا ہے. جہاں تک مغربی یورپ میں جرائم کا تعلق ہے، یہ زیادہ تر غیر ملکی آبادکاروں کی وجہ سے ہیں. جیسا کہ فرانس کی جیلوں کے ۷۰٪ قیدی مسلمان ہیں. مغربی یورپ کے مسلمان زیادہ تر ملحد نہیں ہیں. جب کہ اس کے برعکس اقوام متحدہ کی انسانی ترقی کی فہرست میں سب سے نیچے کے ۵۰ ممالک بلاناغہ مذہبی ہیں.

دوسرے تجزیے بھی کچھ ایسی ہی تصویر کشی کرتے ہیں. امریکہ کو تمام دولت مند جمہوریتوں میں مذہبی رجحان کے لحاظ سے ایک مُمتاز حیثیت حاصل ہے. اور اُتنی ہی مُمتاز حیثیت مردم کشی، اسقاط حمل، غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیوں کا حاملہ ہونا، جنسی بیماریوں اور بچوں کی شرح اموات میں حاصل ہے. امریکہ کے اندر بھی وہی پہلے والا موازنہ لاگو ہوتا ہے. مغربی وسط اور جنوب کی ریاستوں میں جہاں مذہبی رجحان زیادہ پایا جاتا ہے، معاشرے کے تنزل کی علامات بھی وہی ہیں. جب کہ نسبتاً کم مذہبی رجحانات والی شمال مشرقی ریاستیں بدرجہا بہتر ہیں. اگرچہ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ وابستگی مذہبی رجحان کا اتنا مکمل پتہ نہیں دیتی مگر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ بنیادی طور پر 'سُرخ ریاستوں' کی سُرخی کی وجہ ہی وہاں کے قدامت پسند مسیحیوں کا بے پناہ سیاسی اثر و رسوخ ہے.

اگر مسیحی قدامت پسندی اور مُعاشرے کی بہتری میں کوئی مضبوط باہمی تعلق ہوتا تو وہ ہمیں ان سُرخ ریاستوں میں ضرور نظر آتا. مگر ایسا نہیں ہے. ۲۵ ایسے امریکی شہروں

میں جن میں پُر تشدد جرائم کی شرح سب سے کم ہے، ۶۲٪ 'نیلی ریاستوں' میں ہیں اور صرف ۳۸٪ سُرخ ریاستوں میں. جبکہ امریکہ کے ۲۵ خطرناک ترین شہروں میں ۷۶٪ سُرخ ریاستوں میں ہیں اور صرف ۲۴٪ نیلی میں. حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ کے پانچ خطرناک ترین شہروں میں سے تین امریکا کی انتہائی دین دار ریاست ٹیکساس میں ہیں. سب سے زیادہ نقب زنی کی وارداتوں والی بارہ کی بارہ ریاستیں سُرخ ہیں. سب سے زیادہ چوری کی وارداتوں کی شرح کے لحاظ سے ۲۹ میں سے ۲۴ ریاستیں سُرخ ہیں. قتل کے جرائم کے لحاظ سے ۲۲ میں سے ۱۷ ریاستیں سُرخ ہیں. اگر ایک لمحے کے لیے اس سوال کو ایک طرف رکھ دیں کہ کیا مُعاشرے میں خرابی ہی دین کی طرف اس کو لاتی ہے یا مذہبی رجحان معاشرے کی خرابی کا سبب بنتا ہے، تو ایک بات تو حتمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے. اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں خدا پر ایمان کا رجحان اس معاشرے کی صحتمندی کی ضمانت نہیں دیتا.

جن مُلکوں میں الحاد زیادہ ہے وہ فلاح و بہبود کے کاموں اور ترقی پذیر ملکوں کی امداد میں سب سے آگے ہیں. مسیحی اعتدال پسندی اور مسیحی اقدار کا غیر مُعتبر رشتہ چند اور معاشرتی مساوات کی علامات سے بھی صاف ظاہر ہو جاتا ہے. محکموں کے سربراہان اور ان محکموں کے عام ملازمین کی تنخواہوں کے موازنے کو ہی لے لیجیے. برطانیہ میں یہ ۱:۲۴ ہے، فرانس میں ۱:۱۵ اور سویڈن میں ۱:۱۳. جب کہ امریکہ، وہ ملک جس کے باسی روز قیامت اپنے خدا کے سامنے جواب دہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، یہ تناسب ۱:۴۷۵ ہے. یوں لگتا ہے کہ یہاں بہت سارے اونٹ سوئی کی آنکھ سے نکل جانے کی توقع رکھتے ہیں.

"بھلائی کی کتاب" میں بھلائی کون ڈالتا ہے؟

چلیں اگر خدا پر یقین انسانی رویوں پر کوئی قابل اعتبار اور مثبت اثر رکھتا بھی ہے تو یہ خدا پر ایمان لانے کی وجہ نہیں بن سکتی. خدا پر ایمان لانے کے لیے خدا کے وجود کا حقیقی ہونا لازم ہے. اگر الحاد سیدھا سیدھا اخلاقی انتشار کی طرف بھی لے جاتا ہو تو پھر بھی مسیحیت سچ ثابت نہیں ہو جاتی. شاید اسلام زیادہ سچا ہو اُس صُورت میں. یا شاید تمام مذاہب اُس مصنوعی دوائی کی طرح ہوں جس کو اصلی سمجھ کر مریض بہتر ہو جاتا ہے. اور اس کائنات کے بیان کے طور پر شاید مذاہب ایک ایسا مکمل جھوٹ ہوں جن کا تھوڑا سا فائدہ بھی ہوتا ہو. شواہد البتہ یہ بتاتے ہیں کہ مذہب غلط بھی ہے اور خطرناک بھی.

جب آپ انسانی رویوں پر مذہب کے مثبت اثر کی بات کرتے ہیں تو آپ مذہبی اعتدال پسندوں اور آزاد خیالوں کی تقلید کرتے ہیں. بجائے یہ کہنے کہ وہ خدا پر اس لیے ایمان رکھتے ہیں کیونکہ آسمانی کتابوں کی پیشن گوئیاں سچ ثابت ہو چکی ہیں اور ان میں بیان کیے ہوئے معجزات کافی قابل اعتبار ہیں، یہ مذہبی اعتدال پسند اور آزاد خیال حضرات صرف ایمان کے فوائد کی ہی بات کرتے ہیں. جب ۲۰۰۴ میں سونامی نے دو لاکھ لوگوں کو مار دیا تھا تو بہت سے قدامت پسند مذہبی اس کو خدا کا عذاب بتلاتے تھے. جیسے خدا اپنے اشاروں میں ایک بار پھر اسقاط حمل، بت پرستی اور ہم جنس پرستی کے بارے میں اپنی ناراضگی کا کوئی پیغام بھیج رہا ہو. اگرچہ میں اس بات کو حتمی طور پر قابل تنفر سمجھتا ہوں مگر پھر بھی اگر کچھ مفروضوں کو مد نظر رکھا جائے تو کسی حد تک معقول بھی.

جب کہ دوسرے ہاتھ پر اعتدال پسند اور آزاد خیال مذہبی خدا کے ایسے کاموں سے

خدا کے بارے میں کوئی نتیجہ نہیں نکالتے. خدا بس ایک پُر اسرار راز ہی رہتا ہے، شیطان کی مکاریوں سے بچنے کے لیے ایک راحت بخش سایا. سونامی میں بھی انہوں نے کہا کہ خدا کو سونامی کی تباہ کاریوں میں نہیں بلکہ اس کے خلاف انسانی رد عمل میں دیکھو. شاید ہم اتفاق بھی کریں گے اس بات سے کہ لاشوں کو سمندر سے نکالنے میں اور متاثرین کی مدد میں خدا کی نہیں انسان کی محبت بھری فطرت کی عکاسی ہوتی ہے. جس دن ظالم پانیوں نے ایک لاکھ سے زیادہ بچوں کو ان کی ماؤں کی گودوں سے چھین کر ڈبو دیا تھا اس دن مذہبیوں کی آزاد خیالی بھی کھل کر اخلاقی دکھاووں کے طور پر ننگی ہو گئی. اللہ کے قہر والی بات پھر بھی کچھ معقول لگتی ہے. اگر خدا ہے اور انسان کے معاملات میں دلچسپی لیتا ہے تو پھر اس کی مرضی فہم و ادراک سے باہر نہیں ہے. جو بات فہم و ادراک سے باہر ہے وہ یہ ہے کہ بظاہر معقول خواتین و حضرت اس وسیع پیمانے کی تباہی کو اخلاقی دانائی کی انتہا سمجھتے ہیں.

آپ یقین رکھتے ہیں کہ ہم جیسی فانی مخلوق بائبل کی اخلاقیات کو رد کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی. اور یہ کہ ہم خدا کے نُوح کے سیلاب میں تقریباً پوری انسانیت کو غرق کر دینے کی اخلاقی دانائی تک اپنے محدود سوچ کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتے. مگر اپنے آپ کو یہ رتبہ ضرور دیتے ہیں کہ آپ کو بالکل صحیح طور پر معلوم ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا تھا، بائبل دانائی کی حد ہے اور یہ کہ بائبل جھوٹ سے نہیں بھری پڑی. آپ اپنے ذاتی عقلی صلاحیتوں کا استعمال کر کے بائبل کی دانائی کی تصدیق بھی کرتے ہیں اور پھر، اگلی ہی سانس میں، دھڑلے سے یہ بھی جتاتے ہیں کہ ہم انسان انہی عقلی صلاحیتوں کو اپنی ذاتی زندگیاں سدھارنے کے لیے نہیں استعمال کر سکتے. اس کے لیے وہ بائبل کے نسخوں کی ہدایت کرتے ہیں. آپ اپنی عقل سے

بائبل کی ضمانت دیتے ہیں اور پھر بائبل کو ہی اپنی عقل کا ضامن بنا دیتے ہیں. یہ دائراتی دلیل کی بہترین مثال ہے.

آپ کہتے ہیں کہ بائبل دانائی کا منبع ہے. ہم آپ کی بات کو مان کر اس کو پڑھنا شروع کر دیتے ہیں. ہم اس میں چند اچھی باتیں بھی پڑھ لیتے ہیں. پھر اچانک ہی ہم Deuteronomy 22:13-21 پر پہنچتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں؟ ہمیں ہدایت ملتی ہے کہ اگر شادی کی رات بیوی عفیفہ نہ نکلے تو اُسے اُس کے باپ کے دروازے پر پتھر مار مار کر قتل کر دینا چاہیے. اگر ہم مہذب ہیں تو اس کو پاگل پن سمجھ کر رد کر دینگے. اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے ہمیں اپنی عقل استعمال کرنی پڑے گی. اس کے لیے خدا پر ایمان کی ضرورت ہی نہیں ہے.

ہمارے سامنے انتخاب بڑا سادہ سا ہے. یا تو ہم اخلاقیات اور انسانی بھلائی پر اکیسویں صدی کے معیار کی بحث کریں اور اس کے لیے ان مضامین میں جدید ترین سائنسی تحقیقات اور پچھلے دو ہزار سال کے جمع شدہ فلسفیانہ دلائل سے استفادہ کریں، اور یا پھر اپنے آپ کو پہلی صدی عیسوی کی بحث تک ہی محدود رکھیں جو بائبل میں درج ہے. کون آخر الذکر کا انتخاب کرے گا؟

خدا کی اچھائی

اس وقت اس دنیا کے کسی کونے میں ایک مجرم ایک معصوم بچی کو اغوا کر کے بیٹھا ہوا ہے. جلد ہی وہ اُس سے جبری زنا کرے گا، اُس پر تشدد کرے گا اور اُسے قتل کر دے گا. اگر ایسا کوئی جُرم ابھی، اس لمحے نہیں بھی ہو رہا تو اگلے چند گھنٹوں یا دنوں میں ضرور ہو گا. اتنا

تو ہمیں اس چھ ارب کی آبادی والی دنیا میں ایسے جرائم کے اعداد و شمار سے پتہ چل ہی جاتا ہے. ایسے ہی اعداد و شمار ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس بچی کے والدین یہ ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ آپ رکھتے ہیں، کہ ایک رحیم و کریم خدا اُن کی اور اُن کی بچی کی نگہداشت کر رہا ہے. کیا وہ صحیح یقین رکھتے ہیں؟ کیا یہ اچھا ہے کہ وہ ایسا ایمان رکھتے ہیں؟

نہیں.

اس 'نہیں' میں لادینیت کا پورا نظریہ موجود ہے. لادینیت کوئی فلسفہ نہیں ہے. نہ ہی یہ دنیا کو دیکھنے کا ایک انوکھا انداز. یہ بس حقیقتوں کی قبولیت ہے. بلکہ لفظ 'لادین' کو لغت میں ہونا ہی نہیں چاہیے. اگر کسی کو ضرورت نہیں پڑتی کہ اپنے آپ کو 'غیر نجومی' یا 'غیر طبیب' کہے تو دین نہ ماننے والوں کو بھی 'لادین' کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے. لادینیت تو بس نام ہے اُن آوازوں کا جو دلیل پسند لوگ اندھے ایمان کے شور و غل میں اٹھاتے رہتے ہیں. اس سے بھی زیادہ سادہ الفاظ میں لادین اُس شخص کو کہتے ہیں جو مذہب والوں کی اس بات پر کہ 'خدا کے وجود پر کبھی شک نہ کرو'، نہ صرف اُس کے وجود کا ثبوت مانگتے ہیں بلکہ، انسانوں کی بلا تفریق تباہی دیکھ کر، اُس کے 'کرموں' کا بھی. لادین وہ شخص ہے جس کو لاکھوں سالوں میں بھی صرف ایک واحد معصوم بچی کا قتل اُسے کسی 'رحیم و کریم' خدا کے وجود کے بارے میں شک میں ڈال دیتا ہے.

خدا کی انسانوں کی نگہداشت میں ناکامیوں کی مثالیں چہار جانب موجود ہیں. کسی دن کی خبریں دیکھ لیں. کہیں زلزلہ ہے تو کہیں طوفان. کہیں سیلاب ہے تو کہیں قحط. کہیں وبا ہے تو کہیں جنگیں. اور ان تمام میں اچھے، بُرے، بوڑھے، بچے، بیمار و نادار، ناکس و لاغر سب بلا

تفریق پسے جا رہے ہیں. یقیناً خدا ان سب کی دعائیں سنتا ہو گا. ان میں زیادہ تر ایمان والے لوگ ہوتے ہیں جو تمام عمر خدا کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اُسی سے اپنی خیر مانگتے رہتے ہیں. کیا آپ میں خدا کی ان ناکامیوں کا اعتراف کرنے کی ہمت ہے؟ یہ غریب لوگ ایک خیالی دوست سے مدد مانگتے مانگتے مر جاتے ہیں. اگرچہ سائنس ان تمام آفات کی پیشگی اطلاع دیتی رہتی ہے مگر خدا اپنے منصوبے کسی کو نہیں بتاتا. ظلم تو یہ ہے کہ اسی سائنس کی پیشگی اطلاعات سے بچنے والے لوگ پھر اُسی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے انہیں بچا لیا. یہ نہیں سوچتے کہ ان کو' بچانے' والے خدا نے اُسی آفت میں کتنے معصوم اور شیر خوار بچوں کو غرق کر دیا. وقت آ گیا ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ اس سے زیادہ ذلت آمیز کوئی انسانی رویہ نہیں ہو سکتا؟

جب آپ اس دنیا کی تلخ حقیقتوں کو مذہب کی خوش رنگ پٹیوں میں لپیٹنا چھوڑ دینگے، آپ کو اپنی ہڈیوں میں بھی زندگی کی اہمیت کا احساس ہو گا. وائے بد قسمتی کہ کروڑوں لوگوں نے اپنی خوشیاں مذہب کی قربان گاہ میں نیاز کی ہوئی ہیں. سمجھ نہیں آتی کہ کتنی بڑی اور بہیمانہ درجے کی تباہی ان لوگوں کے اندھے ایمان کو دھچکا دے گی. ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کی نسل کُشی تو ایسا نہ کر پائی. اور نہ ہی روانڈا کے برچھیاں بدست قاتلوں کے جتھے جن میں پادری بھی شامل تھے. شیر خوار بچوں سمیت، پچھلی صدی میں پچاس کروڑ لوگ چیچک کی نظر ہو گئے. خدا کے طریقے واقعی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں. ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی حقیقت، چاہے کتنی بھی پُر ملال کیوں نہ ہو، ایمان کے ساتھ مطابقت نہیں کھا سکتی.

بے شک تمام مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کو دلاسہ دیتے رہتے ہیں کہ ان تمام

تباہیوں کا ذمہ دار خدا نہیں ہے. تو پھر اس کے بیک وقت عالم الغیب اور قادر مطلق ہونے کو کیا سمجھا جائے؟ یا تو خدا ان آفات کو روکنے سے قاصر ہے یا اس کو کوئی پرواہ نہیں ہے. یا اس کو اچھائی سے منسوب کیا جائے یا بدی سے. جب ہم یہ کہتے ہیں تو ہمیں جواب دیا جاتا ہے کہ خدا کو انسانی اخلاقیات کے پیمانے پر تولا نہیں جا سکتا. مگر پھر یہی حضرات اسی خدا کو انسانی اخلاقیات کی بھلائی کے ہار پہنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے. اور پھر اسی خدا کی ہم جنسوں کی شادی جیسی معمولی چیز کی ناپسندیدگی، یا نمازوں میں اسے مخاطب کیسے کیا جائے جیسے روزمرہ کے معاملات میں دلچسپی فہم و ادرک سے بالاتر نہیں رہتی.

یہ افسوسناک ہے کہ ہم سب ایک نہ ایک دن مر جاتے ہیں اور اپنی تمام محبتوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں. مگر اس سے بھی دُگنی افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم میں سے کئی انسان اپنی زندگیوں میں ہی بلا ضرورت دکھ اور درد جھیلتے رہتے ہیں. چاہے وہ مذہبی نفرتیں ہوں، مذہب کے حرام حلال کے چکر یا مذہبی جنگیں، ان تمام مصیبتوں میں سے بیشتر کا براہ راست تعلق مذہب سے ہی بنتا ہے. یہی امر مذہب پر سچی تنقید کو لازم بنا دیتا ہے. بدقسمتی سے ایسی نکتہ چینی مذہب کے نقادوں کو معاشرے کے باہری کناروں کی طرف دکھیل دیتی ہے. مُلحد کا حقیقت کے ساتھ یہ واسطہ اسے اپنے ساتھ کے گھر میں رہنے والے اُس ہمسائے سے دور کرتی چلی جاتی ہے جو تصوراتی خوش فہمیاں پال پال کر جی رہا ہے.

پیشن گوئی کی طاقت

اکثر اوقات کہا جاتا ہے کہ بائبل کو اس لیے خدا کا کلام سمجھنا چاہیئے کیونکہ بعد میں آنے والے عہد نامہ جدید میں بیان کردہ واقعات پہلے والے عہد نامہ قدیم کی پیشن گوئیوں کی

تصدیق کرتے ہیں. مگر ذرا اپنے آپ سے پوچھئے کہ دوسری کتاب لکھنے والوں کے لیے کتنا آسان ہو گا کہ پہلی کتاب میں کی ہوئی پیشن گوئیوں کے مطابق یسوع کے حالات زندگی لکھیں. بلکہ ان دو کتابوں میں سے ہی ایسے شواہد ملتے ہیں کہ ایسا تھا بھی. باوجود اس کے کہ آپ مسیحیوں کی مذہبی کتاب میں حالات، واقعات اور تاریخ کی لاتعداد غلطیاں موجود ہیں، آپ بضد ہیں کہ بائبل ہر لحاظ سے لاعیب کلام الہی ہے. آپ کا کیا خیال ہے کہ مسلمان، سکھ اور ہندو اپنی مذہبی کتابوں کے بارے میں ایسا نہیں سوچتے ہونگے؟

اب ذرا سوچئے کہ ایسی کتاب کی پیشن گوئیاں کتنی حیران کن ہوں گی اگر وہ واقعی کسی عالم الغیب کی لکھی ہوئی ہوتیں. اگر بائبل ایسی کتاب ہوتی تو انسانوں کے آنے والے وقتوں کے واقعات کی صحیح پیشن گوئیاں کرتی. مثلاً آپ کو اس میں ایسے قطعے جابجا ملتے، "بیسویں صدی کے آخری پچاس سالوں میں انسان بین الاقوامی طور پر کمپیوٹروں کا ربط، جس کا اشارہ میں نے پچھلی سورت میں بھی دیا ہے، ایک جال بچھانے میں کامیاب ہو جائیگا. اس جال کو انٹرنیٹ کہیں گے." بائبل میں ایسی کوئی چیز نہیں. اسی طرح ایک عالم الغیب کی لکھی ہوئی کتاب میں چند سورتیں علم ریاضی پر کچھ ایسی لکھی ہوئی ہوتیں کہ آج ۲۰۰۰ سال گزر جانے کے بعد بھی ان کو پڑھ کر حساب دان دنگ رہ جاتے. نہ صرف بائبل میں ایسی کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے برعکس اس میں حساب کی کھلی غلطیاں موجود ہیں. حقیقت تو یہ ہے کہ پوری بائبل میں ایک بھی جملہ ایسا نہیں ہے جو کہ پہلی صدی عیسوی کا انسان نہ لکھ سکتا ہو.

بائبل میں DNA کا، بجلی کا اور اس کائنات کی عمر اور صحیح حدود اربع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اتنی ضخیم کتاب ہے بائبل کہ اس میں خدا کو غلاموں کے لین دین کا اور چند جانوروں

کی قربانیوں کا صحیح طریقہ تک تو بتا دیا مگر سرطان کا علاج نہیں بتایا. سرطان سے بچوں سمیت، اچھے، نیک اور خدا کی عبادت کرنے والے لوگ مرتے جا رہے ہیں. ایک لادین شخص اس کتاب کو دیکھتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ ایک اتنی معمولی کتاب کو بھی کسی عالم الغیب کا لکھا ہوا کلام سمجھا جا سکتا ہے. اس بات سے آپ کو فکر مند ہو جانا چاہیے.

سائنس اور مذہب کا ٹکراؤ

جہاں اب یہ اخلاقی ضرورت بن چکی ہے کہ سائنسدانوں کو سائنس اور مذہب کے ٹکراؤ پر راست گوئی سے بات کرنی چاہیے، امریکہ کا سائنسی علوم کا قومی ادارہ اس بارے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے. ان کا ایک سرکاری بیان اس مضمون پر کہتا ہے:

> "سائنس اور مذہب کے درمیان ظاہری ٹکراؤ دراصل ان دونوں کے طریقہ کار کے فرق کو نہ سمجھنے کا ہے. یہ دونوں اس دنیا کے بارے میں مختلف سوالوں کے جواب دیتے ہیں. اس کائنات اور اس میں انسان کے وجود کے مقاصد جاننے والے سوال سائنس کے نہیں ہیں.....
> سائنس فطری دنیا کو جاننے کے علوم سے تعلق رکھتی ہے. یہ فطری دنیا کی فطری وجوہات کی حدود میں وضاحت کرتی ہے. سائنس مافوق الفطرت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی. خدا کے وجود کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں سائنس غیر جانبدار ہے."

یہ بیان صاف گوئی کی صفت سے حیران کن حد تک عاری ہے. یہ تو ہم جانتے ہی ہیں کہ سائنسدان بے چارے اپنی تحقیقات کے لیے حکومت کی مالیاتی امداد کے محتاج ہوتے ہیں.

اسی لیے یہ بھی امکان ہے کہ سائنسی علوم کا قومی ادارہ محض ٹیکس دینے والوں کے خوف سے ایسے انداز میں بات کر رہا ہو. کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور مذہب کا ٹکراؤ ناگزیر ہے. سائنس جہاں کامیاب ہوتی ہے، مذہبی عقیدہ وہاں مار کھاتا ہے. ایسے ہی جہاں بھی مذہبی عقیدہ سلامت رکھنا درکار ہوتا ہے وہاں سائنسی تحقیق کو لگام دینی لازم ہو جاتی ہے. ہمارے مذاہب صرف' انسان کے وجود کے مقاصد' کی ہی بات نہیں کرتے. سائنس کی طرح، یہ اس دنیا کے نظام کے بارے میں بھی خصوصی دعوے کرتے ہیں. جیسے کہ خدا سن سکتا ہے اور (کبھی کبھار) دعاؤں کا جواب بھی دیتا ہے، روح جسم میں عین کس وقت داخل ہوتی ہے اور اگر آپ خدا پر یقین نہیں رکھیں گے تو بعد الموت سخت سزا کے حقدار ہونگے وغیرہ وغیرہ. ایسے دعووں کا سائنس کے ساتھ ٹکراؤ اس لیے لازم ہے کیونکہ یہ بغیر کسی دلیل، ثبوت اور شواہد کے کیے گئے ہیں.

سائنس دنیا کی سچائیاں جاننے کا نام ہے. مثلاً ہم سب جاپانیوں کے ۷ دسمبر ۱۹۴۱ کو پرل ہاربر پر حملے کو ایک تاریخی حقیقت کے طور پر جانتے ہیں. اس کو ایک تاریخی مگر سائنسی حقیقت بھی کہا جا سکتا ہے. نتیجتاً، اب اگر کوئی یہ کہے کہ حملہ کسی اور تاریخ کو ہوا تھا یا جاپانیوں نے نہیں بلکہ مصریوں نے کیا تھا تو اس کو بہت وضاحتیں، ثبوت، شواہد اور دلائل دینے پڑیں گے. سچی دانشوری سائنس کا دل ہے. اس کے برعکس مذہب پر سچی دانشوری کا معیار لاگو ہی نہیں ہوتا. اس کے اپنے ہی کوئی معیار ہیں.

ابھی حال ہی میں رومن کیتھولک چرچ نے ایسے نو زائدہ بچوں کے بارے میں چند اعلامیے جاری کیے ہیں جو مسیحی بننے کے عمل سے گزرے بغیر ہی وفات پا گئے. چوٹی کے

تیس ماہرین دینیات اس امر پر غور کرنے کے لیے ویٹیکن میں اکٹھے ہوئے. قرون وسطیٰ سے کیتھولک مسیحی یہ سمجھتے چلے آئے ہیں کہ ایسے بچے، بقول سینٹ اگوناس کے، ہمیشہ کے لئے ایک فطری خوشی پا لیتے ہیں. مگر یہ بات سینٹ آگسٹائن کی رائے کے بلکل مخالف ہے جو کہتے تھے کہ ایسے بد قسمت بچے ابد تک دوزخ کی آگ میں جلیں گے.

اگرچہ ایسے بچوں کی یہ تقدیر مسیحیت کی مقدس دستاویزات میں نہیں پائی جاتی، یہ مسیحی رسموں کا صدیوں سے ایک بڑا حصہ بنی رہی ہے. ۱۹۰۵ میں پوپ پائس دسویں نے اس بات کی تھوڑی سی رود و بدل کے ساتھ تصدیق کی تھی. "ایسے بچے جو مسیحی بننے کے عمل سے گزرنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں ان کو نہ تو خدا کی ذات سے کوئی راحت ملتی ہے اور نہ ہی وہ کسی تکلیف سے گذرتے ہیں." اور اب مسیحیت کے بڑے بڑے اذہان اس 'انتہائی اہم' معاملے پر از سر نو غور کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے.

کیا آپ اس دنیا کے بے شمار فوری طور پر حل طلب مسائل میں سے دانشوارانہ غور و فکر کے لیے اس سے بھی زیادہ کسی خستہ حال مضمون کا سوچ سکتے ہیں؟ کیا اس بات کا کوئی خفیف ترین امکان بھی ہے کہ ان حضرات میں سے کوئی ایسے بچوں کی بعد از مرگ تقدیر کا کوئی ثبوت پیش کرے گا؟ کیا کوئی تعلیم یافتہ شخص وقت کے اس زیاں کو ایک مضحکہ خیز، خوفناک اور نا قابل معافی مشق کے علاوہ بھی کچھ سمجھ سکتا ہے؟ اور اگر اب آپ یہ بھی ذہن میں لائیں کہ یہی چرچ بچوں کو نشانہ بنانے والی پادریوں کی ایک پوری فوج کو اپنے دامن میں تحفظ دیئے بیٹھا ہے، تو یہی مہم آپ کو انسانی توانائیاں فضول میں خرچ کرنے کی ایک شیطانی کوشش کی سوا کچھ بھی نہیں لگے گی.

سائنس اور مذہب کے ٹکراو کو پُر دلیل بحث سے کم کیا جا سکتا ہے. مگر شرط یہ ہے کہ دونوں اطراف مانیں کہ دلیل اور ثبوت لازم ہیں. کیوں کہ یا تو کسی امر کو ثابت کیا جا سکتا ہے یا نہیں. اگر ثبوت اور شواہد سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ یسوع ایک کنواری کی اولاد تھے اور مسلمانوں کا نبی ایک پروں والے گھوڑے پر سوار ہو کر آسمانوں کی سیر کر آیا تھا تو پھر تو ان امور کو اس کائنات اور اس دنیا کی ممکنات میں شامل کر دینا چاہیے. ایسے ہی امور میں بائبل اور قران کو خدا کا کلام سمجھنا، یسوع کا دوبارہ زندہ ہو کر آنا، محمد کا جبرائیل سے گفتگو کرنا وغیرہ وغیرہ بھی شامل ہیں. یہ تمام باتیں مذہب ابھی تک بغیر دلیل، مشاہدے اور ثبوت کے لوگوں کے گلوں میں ٹھونستا ہے. یہ مان لینے کا وقت آ گیا ہے کہ ایمان بس ایک اجازت نامہ ہے جو مذہبی لوگ دلیل کی غیر موجودگی میں ایک دوسرے کو جاری کرتے رہتے ہیں.

دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ جہاں انسانی معاشرہ اب اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ زندگی کے کسی اور شعبہ میں دلیل اور ثبوت کے بغیر کسی چیز پر یقین کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے وہاں خدا پر اندھا ایمان رکھنے کو اب بھی عزت دیتا ہے. مذہب وہ واحد شعبہ ہے جس میں ان امور پر ایمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جن کا ثابت کرنا ناممکن ہے. اور مزے کی بات یہ ہے کہ ایسے نظریوں کو صرف ان مذاہب میں قدر و منزلت ملتی ہے جس کے معتقدین ابھی بھی لاتعداد ہیں. ورنہ کسی پرانے یونانی خدا پر ذرا کھُلے عام اپنے ایمان کا اعلان تو کر کے دیکھیں کہ آپ کے ساتھ ہوتا کیا ہے. آزمائش شرط ہے.

زندگی کی حقیقت

اس حقیقت میں تو اب بحث کی گنجائش نہیں رہی کہ پیچیدہ ترین جاندار وجود اربوں سال پہلے سادہ ترین زندگی کی اشکال سے شروع ہوئے تھے. اگر آپ کو اس میں شک ہے تو پھر اس پر بھی شک کریں کہ سورج ایک ستارہ ہے. مانا کہ سورج ایک عام ستارے کی طرح نہیں لگتا مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ ستارہ زمین کے بہت قریب ہے. اب ذرا اپنی پیشمانی کا اندازہ لگائیے اگر آپ کا مذہب کہتا ہو کہ سورج تو ستارہ ہے ہی نہیں. دنیا بھر میں پھر کروڑوں مذہبی سائنس کے اس دعوے کو لڑنے میں اپنی توانائیاں اور دولت لگادیں گے. ذرا سوچیں تو کہ مذہبی اس نظریے کو بچوں کے نصاب میں ڈلوانے کی کتنی سر توڑ کوشش کریں گے. آپ اس وقت نظریہ ارتقاء کے سلسلے میں بالکل ایسی ہی حالت میں ہیں.

ارتقاء کی مخالفت کرنے والے مذہبی حضرات کہتے ہیں، "ارتقاء تو ایک نظریہ ہے، حقیقت نہیں." ایسا کہنا سائنسی گفتگو میں نظریوں کے استعمال سے مکمل لاعلمی کی خبر دیتا ہے. سائنس میں حقیقتوں کو دوسری حقیقتوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے. مجموعی طور پر ان کو نظریہ کہا جاتا ہے. نظریے پیشن گوئیاں دیتے ہیں اور اصولی طور پر ان پر تجربے کیے جاسکتے ہیں. 'نظریہ ارتقاء' میں لفظ 'نظریہ' کے استعمال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ارتقاء ایک حقیقت نہیں ہے. 'بیماری کے جراثیمی نظریے' اور 'کشش ثقل کے نظریے' جیسے جملے لکھنے یا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی کشش ثقل یا بیماریوں کی حقیقت سے انکار کر رہے ہیں.

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چند مذہبیوں نے سائنس کی مختلف شاخوں میں

صرف اس لیے ڈاکٹری کی ہے کہ وہ اپنی مُقدس کتابوں کی کوتاہیوں کو کسی طرح پورا کر سکیں. اگرچہ وہ تکنیکی لحاظ سے تو سائنسدان بن جاتے ہیں مگر ان کا رویہ سائنسدانوں والا نہیں ہوتا. وہ اس کائنات کے بارے میں سچی تحقیق نہیں کر رہے ہوتے. ان کی اولین کوشش خدا کے وجود کو ثابت کرنا اور ڈارون کے نظریے کو جھُٹلانا ہوتی ہے. اس کو کسی لحاظ سے بھی سائنسی تفتیش نہیں کہا جا سکتا. ۲۰۰۵ میں ۳۴ ممالک میں نظریہ ارتقاء کے ماننے والوں کا ایک جائزہ لیا گیا. امریکہ اس میں تُرکی سے ذرا اوپر تینتیسویں نمبر پر تھا. اسی دوران امریکہ کے ہائی سکولوں کے بچے سائنس اور ریاضی کی سمجھ میں یورپ اور ایشیا کے بچوں سے مسلسل نیچے نظر آ رہے ہیں. یہ اعداد و شمار مشتبہ نہیں ہیں. ہم ایک جاہل تہذیب کو پروان چڑھا رہے ہیں.

ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ کائنات بائبل کی بتائی ہوئی عمر سے کہیں زیادہ پرانی ہے. ہمیں یہ معلوم ہے کہ بشمول ہمارے تمام پیچیدہ حیاتیات اربوں سالوں کے ارتقائی عمل کے بعد موجودہ اشکال پر پہنچی ہیں. اس امر کے اتنے شواہد موجود ہیں کہ سب کے سب یہاں بیان نہیں کیے جا سکتے. وقت کے طویل دورانیوں میں DNA کے مالیکیول میں اتفاقی تبدل، فطری انتخاب، موزوں ترین کی بقاء اور مختلف انواع کے باہم اختلاط سے حیاتیات آج کی بے شمار نت نئی قسموں اور صورتوں پر پہنچی ہیں. یہ شک سے بالاتر حقیقتیں ہیں.

یہ بھی اب ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے غیر انسانی آباء سے بتدریج ترقی پا کر یہاں تک پہنچا ہے. ہمیں جینیاتی ثبوت سے معلوم ہے کہ ہمارے آباء بندر رہے ہیں اور ان کے آباء چمگادڑیں اور اڑنے والے لیمر۔ کوئی ایسی صورت نہیں بنتی کہ ہم یہ سمجھیں کہ

زندگی کی آج کی اشکال بس اسی صورت میں ہی تخلیق ہوئی تھیں. اگرچہ ہم پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ ارتقاء کا عمل شروع کیسے ہوا تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی جڑ میں کہیں کوئی خدا چھپا بیٹھا ہے. ادیان ابراہیمی کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر پڑھ لیں وہاں آپ کو یہی ملے گا کہ تمام حیاتیات اسی صورت میں تخلیق کی گئی تھیں. بے شک یہ کتابیں اس بارے میں غلط کہتی ہیں.

مذہبیوں نے ارتقاء کو جھٹلانے کا اب ایک نیا انداز اختیار کیا ہے. وہ اب 'ذہین نمونے' Intelligent Design کی بات کرتے ہیں. ذہین نمونہ بنیادی طور پر مذہب اور سیاست کا آمیزہ ہے جو سائنس کے لباس میں دھوکہ دہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں. یہ دو الفاظ خدا کی ان ناکامیوں کو چھپانے کے لیے اختراع کیے گئے ہیں جہاں وہ تخلیق کے مضمون پر سائنس سے مات کھاتا جا رہا ہے.

ذہین نمونے کی دلیل کافی محاذوں پر بیک وقت پیش کی جا رہی ہے کہا یہ جاتا ہے کہ اس کائنات کا وجود ہی خدا کے وجود کی دلیل ہے. دلیل کو کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے. کائنات میں موجود ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے. زماں و مکاں موجود ہیں. اس لیے کوئی نہ کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو ان سے باہر رہ کر ان کو بنا پائی. یہ وہ واحد ہستی ہے جو زماں و مکاں سے بالاتر بھی ہے اور تخلیق کی قوت بھی رکھتی ہے. اسی کو خدا کہتے ہیں. آپ جیسے بہت سے مذہبی اس دلیل میں بڑی کشش محسوس کرتے ہیں. ذرا غور کریں تو یہ دلیل ریت کی دیوار کی طرح دھڑام سے گر جاتی ہے. یہ کیسے مان لیا جائیے کہ وہ واحد ہستی جو زماں و مکاں کی تخلیق کر سکتی ہے خدا ہی ہے. اگر ذہین نمونے کا مفروضہ مان بھی لیا جائے تو یہ کون فیصلہ کرے گا کہ

زماں و مکاں کا خالق بس کوئی خدا ہی ہو سکتا ہے؟ اگر یہ بھی مان لیا جائے تو یہ کیسے یقین کر لیں کہ یہ کسی ایک خاص مقدس کتاب والا خدا ہی ہے جو صرف اُسی مذہب کو صحیح مانتا ہے؟ مسیحیوں کے بائبل والا خدا یا مسلمانوں کے قران کا اللہ یا بھگوت گیتا اور رامائن کا بھگوان؟

جیسا کہ مذہب کے سب نقاد جانتے ہیں کہ کائنات کے خالق کی دلیل ہمیں سیدھا ایک دوسرے مسئلے کی طرف لے جاتی ہے. اگر خدا نے کائنات تخلیق کی تو خدا کو کس نے تخلیق کیا؟ یہ کہنا کہ خدا، جیسے کہ اس لفظ کے معنی ہیں، خود ہی آیا ہے ایک مضحکہ خیز جواب ہے. کوئی ایسا خالق جو اس پیچیدہ کائنات کو تخلیق کر سکتا ہو خود ایک بڑی پیچیدہ تخلیق ہو گی. صرف فطرت ہی اتنی پیچیدگی سے کام کر سکتی ہے. سچ تو یہ ہے کہ اب تک کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ کائنات کیسے اور کیوں وجود میں آئی.

کوئی بھی سچا دانشور اس بات سے اپنی لاعلمی ظاہر کر دے گا کہ کائنات کیوں وجود رکھتی ہے. سائنسدان تو اس نکتے پر آ کر صاف الفاظ میں اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیتے ہیں. مذہبی لوگوں کی البتہ دوسری بات ہے. اور یہیں پر سائنس اور مذہب کے اس ٹکراؤ کا سب سے بڑا تضاد ہے. مذہبی لوگ اپنی انکساری کو بڑا سراہتے ہیں اور سائنسدانوں کے 'دانشورانہ تکبر' پر لعن طعن بھیجتے ہیں. جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے معاملوں پر مذہبی غرور سے زیادہ کوئی چیز قابل ملامت نہیں ہے. ہر مذہبی کہتا ہے، "اس کائنات کا خالق مجھ میں ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے. میں اس کا منظور نظر ہوں. وہ مجھ سے محبت کرتا ہے. میرے آسمانی صحیفوں سے اخذ شدہ یہ عقائد بہترین سچائیاں ہیں اور تا قیامت رہیں گی. جو بھی میری اس بات سے اختلاف رکھتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلے گا....." متکبر کون ہوا؟

اس دنیا میں اڑنے، چلنے اور رینگنے والی انواع میں سے ۹۹٪ سے زیادہ اب معدوم ہو چکی ہیں. تخلیق کے 'ذہین نمونے' کی دلیل تو صرف اس ایک حقیقت کے سامنے دم توڑ دیتی ہے. جب ہم اپنے ارد گرد کی فطری دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو جہاں ہمیں غیر معمولی پیچیدگیوں والی حیاتیات دکھائی دیتی ہیں وہاں کوئی بھی ایسا 'بہترین' اور 'آخری' نمونہ نہیں نظر آتا جو ابد تک سلامت رہے گا. ہمیں اپنی ان چھوٹی سی زندگیوں میں ہی نباتات اور حشرات و الارض میں تبدیلیاں، تغیرات اور ناپیدگیاں نظر آتی ہیں. ہمیں نقص بھی نظر آتے ہیں. ہمیں مچھلیاں، سلامندر اور کچھوا نما حیاتیات نظر آتی ہیں جن کی نہ دیکھ سکنے والی آنکھیں ہیں کیوں کہ وہ لاکھوں سالوں سے اندھیروں میں پلتے بڑھتے رہے. ہمیں پیڑو والے سانپ اور نہ اڑ پانے والے پرندے نظر آتے ہیں. ہمیں وہیل مچھلیاں نظر آتی ہیں جو زچگی کے دوران دانت نکال لیتی ہیں جو جوانی میں پھر خود ہی غائب ہو جاتے ہیں. اگر خدا نے ہی کوئی 'ذہین نمونے' بنائے تھے تو ہماری دنیا کی ایسی علامتیں انتہائی پُر اسرار ہیں. مگر ارتقاء کی نظر میں ان میں کوئی راز چھپا نہیں رہتا.

ماہر حیاتیات ہالڈین نے ایک دفعہ کہا تھا، "اگر کوئی خدا ہے تو وہ بھنوروں میں غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے." اس طرح کے بیان کے بعد توقع رکھی جا سکتی تھی کہ خدائی تخلیق کی یہ بحث ہی ختم ہو جائیگی. حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں بھنوروں کی اب تک ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ اقسام دریافت کی جا چکی ہیں وہاں خدا کی وائرس میں دلچسپی اس سے بھی کہیں زیادہ مسحور کُن ہے. ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ دنیا میں ہر حیاتی نوع کے لیے کم از کم دس اقسام کے وائرس پائے جاتے ہیں. ان میں سے بہت سارے وائرس بے ضرر ہوتے ہیں اور چند

قدیم وائرسوں نے شاید حیاتیاتی پیچیدگیوں میں بھی کوئی کردار ادا کیا ہو. وائرس میرے اور آپ کے جسم کو مستعار لیے ہوئے اعضائے تناسل کے طور پر استعمال کرتے ہیں. ان میں سے کئی اقسام اس عمل میں ہمارے جسموں کو دردناک طریقوں سے تباہ کر ڈالتی ہیں. HIV جیسے وائرس، اور چند نقصان دہ بیکٹیریا، ہماری آنکھوں کے سامنے پروان بھی چڑھ رہے ہوتے ہیں اور مدافعتی دواؤں کے خلاف مزاحمتی قوت بھی پیدا کر رہے ہوتے ہیں. ارتقاء انہی ساری باتوں کی وضاحت اور ان کے بارے میں پیشن گوئیوں کا نام ہے. آسمانی کتابوں میں یہ حقیقتیں نہیں لکھی ہوئیں. اور نہ ہی کوئی خدا کسی اور الہامی طریقے سے ان کی وضاحت کر پایا ہے.

ہمارا اپنا جسم کسی خالق کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے. جنین کے مرحلے میں ہماری دُمیں، گلپھڑے اور ارد گرد بندر نما بالوں کی چادر ہوتی ہے. پیدائش کے وقت تک یہ سب غائب ہو جاتی ہیں. ارتقاء اس پورے عجیب عمل کی بخوبی وضاحت کرتی ہے. جب کہ خدا کے ذہین نمونے میں یہ بس ایک راز ہی ہے. مردوں کی مثانے کی نالی سیدھی بڑے غُدود میں سے ہو کر گزرتی ہے. یہ بڑے غُدود ہماری زندگیوں میں بڑھتے ہی رہتے ہیں. یہاں تک کہ ساٹھ سال کی عمر میں جا کر بیشتر مرد حضرت کو ان کی درستگی کے لیے جراحی کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے. بچے کی پیدائش کے لیے عورت کا نافچہ اس سے زیادہ ذہین طریقے سے بنایا جا سکتا تھا. نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں عورتیں بچوں کی ولادت کے دوران صرف اس ایک نُقص سے ہلاک ہو جاتی ہیں. جو زندہ بچ جاتی ہیں ان میں سے بیشتر عورتیں پھر مزید زچگیوں کے قابل نہیں رہتیں. ترقی پذیر مُمالک میں ایسی عورتوں کو ان کے شوہر طلاق دے کر

اپنے آپ سے دور کر دیتے ہیں. یہ سب 'ذہین نمونے' کی کرامات ہیں. اس ضمن میں اقوام متحدہ کی بہبود آبادی کے کمیشن کی ایک رپورٹ خاصی دلچسپ ہے. "خواتین کے زچگی کے نافچوں والے مسائل ایک سادہ سے جراحی کے عمل سے ٹھیک ہو سکتے ہیں، دعاؤں سے نہیں .... مثلاً دعاؤں سے کوئی بھی ایک کٹا ہوا بازو دوبارہ سے نہیں اُگا سکتا. مگر کیوں نہیں؟ سلامندر تو بغیر دعاؤں کے ایسا کر لیتے ہیں. اگر خدا کبھی بھی دعائیں سن سکتا ہوتا تو کبھی کبھار، ایک آدھ بار ہی سہی، کسی کا کٹا ہوا ہاتھ کیوں نہیں اُگا دیتا؟....."

اس دنیا میں 'کند ذہن نمونوں' کی البتہ مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان پر لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے. بس ایک اور مثال دیتا ہوں. انسان کی سانس کی اور ہاضمے کی نالیاں حلقوم میں اکٹھی ہو جاتی ہیں. اس غلط عُضلاتی بند وبست کی وجہ سے ہر سال لاکھوں بچے ہسپتالوں کے شعبہ حادثات میں پہنچ جاتے ہیں. بہت سارے بچے تو سانس کی نالی بند ہونے کی وجہ سے ہلاک ہی ہو جاتے ہیں. کئی کو دماغی چوٹیں لگ جاتی ہیں. یہ انسان کے لیے خدا کی ہمدردی کی کیسی مثال ہے اور اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ ہاں شاید ایک مقصد ہو سکتا ہے. کہ ان کے والدین کو کوئی سبق سکھانا مقصود ہو. یا شاید جنت میں ایسے بچوں کے لیے کوئی خاص انعام مختص کیا گیا ہو جو بوتلوں کے ڈھکنوں کی وجہ سے دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتے ہیں. اس کی کیا مذہبی تاویل ہو سکتی ہے؟ اس کی کیا اخلاقی وجوہات ہو سکتی ہیں؟ ایسا کوئی سوچ بھی کیوں سکتا ہے؟

مذہب، تشدد اور تہذیب کا مستقبل

آپ لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ آپ کی مقدس کتابیں اس کائنات کے کسی

خالق کی الہامی کلام ہیں. بد قسمتی سے دنیا میں آپ کے مذہب کے علاوہ بھی بہت سے مذاہب ہیں جن کی ایسی ہی الہامی کتابیں اُن کو اُن کے رہن سہن پر ہدایات دیتی ہیں. نتیجتاً، ان متقابلی نظریوں نے ہمارے عالمی معاشرے کو مختلف گروہوں میں بانٹ کر نہ صرف اس کا سکون تباہ کر دیا ہے بلکہ ان گروہوں کو ایک نہ ختم ہونے والے ٹکراو کی حالت میں ڈال رکھا ہے.

اس کے رد عمل میں چند سمجھدار لوگ اب مذہبی برداشت کی بات کرنے لگے ہیں. اس میں کوئی شک نہیں کے مذہبی برداشت مذہبی جنگوں سے بہتر ہے. مگر ایسی برداشت کے اپنے مسائل ہیں. یہ برداشت ہم کو راست گوئی سے روکتی ہے مبادا ہم پر مذہبی نفرتوں کو بھڑکانے کا الزام لگ جائے. یہ ہمیں سائنس اور مذہب کی ہم آہنگی کے بارے میں جھوٹ بولنے پر مجبور کرتی ہے. یہ تقابلی مذہبی نظریے ہمیں ایک ممکنہ عالمی تہذیب بنانے میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں. معقولیت اور مذہبی نظریوں کی بڑھتی ہوئی اس جنگ میں عقیدہ، جیسا کہ آپ کا کہ یسوع دوبارہ آئیں گے اور مسلمانوں کا کہ شہید کسی جنت میں جاتا ہے، غلط طرف پر ہے.

مذہب قبیلہ بندی، نسل پسندی اور سیاست سے کہیں زیادہ تفرقوں کو ہوا دیتا ہے. کیونکہ مذہب سزا اور جزا کی بنیاد پر انسانیت کو تقسیم کرتا ہے. بچوں کو مذہب کی بنیاد پر دوسرے انسانوں سے نفرت اور خوف سکھانا انسانی تہذیب کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے. نتیجتاً، مذہب دو طریقوں سے تشدد کو جنم دیتا ہے. اول، لوگ اکثر دوسرے انسانوں کو صرف اس لیے قتل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ کائنات کا خالق اس سے خوش

ہو گا. اسلامی دہشت گردی اس کی حالیہ مثال ہے. دوم، اس سے بھی زیادہ لوگ اس لیے جنگوں میں پھنس جاتے ہیں کیوں کہ وہ اپنی اخلاقی گروہ بندی بھی اپنے مذہب کی بنیاد پر ہی کرتے ہیں. مسلمان مسلمان کی طرفداری کرے گا، مسیحی مسیحی کی اور ہندو ہندو کی. یہ نفرتیں مذہب کی عطیہ کی ہوئی ہیں. بظاہر قومیت کی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگیں بھی اپنی جڑیں مذہب میں ہی رکھتی ہیں جیسا کہ فلسطین، بلقان، شمالی آیر لینڈ، کشمیر، سوڈان، ایتھوپیا اور اریٹریا، نائجیریا، آیوری کوسٹ، سری لنکا، فلپائن، ایران، عراق، شام، کاکیشیا وغیرہ وغیرہ میں.

اور اب بھی جب کہ مذہبی تفرقے پوری دنیا میں صاف عیاں ہیں، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مذہبی جنگوں کی وجہ تعلیم کی کمی یا غربت یا سیاست ہوتی ہے. ایسے لوگوں کو شاید نہیں پتا کہ جنت کا وعدہ انسان کے تخیلات کے ساتھ کیسے کیسے کھیل کھیل سکتا ہے. اسی لیے وہ مان نہیں سکتے کہ ایسے وعدے پر ایمان رکھنا کیسا ہوتا ہے. یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ۹/۱۱ کے خودکش حملہ آور کالج کے تعلیم یافتہ درمیانی طبقے کے لوگ تھے جو کسی بھی سیاسی طور پر پسے ہوے نہیں تھے. امریکی صحافی ڈینیل پرل کو ذبح کرنے والا عمر سعید شیخ پاکستان کے اشرافیہ کے سکول ایچیسن، برطانیہ کے فارسٹ سکول اور لندن سکول آف اکنامکس کا پڑھا ہوا تھا. شطرنج کا اچھا کھلاڑی تھا اور لندن کا ایک شطرنج کا ایک مقابلہ بھی جیتا ہوا تھا. ان سب نے بہر طور مسجدوں میں کفار کی سیاہ کاری، مسلمانوں پر مظالم، اور ان کے خلاف جہاد کے فوائد، انعامات اور جنت کی لذتوں پر بے شمار وعظ سن رکھے تھے.

ہمیں یہ حقیقت منوانے کے لیے کہ جہادی تشدد کا تعلیم کی کمی، غربت یا سیاست سے

کوئی تعلق نہیں، کتنے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ۴۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بلند و بالا عمارتوں سے ٹکرانا پڑے گا؟ سادہ مگر حیران کن سچ یہ ہے کہ اس اکیسویں صدی میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو صرف انٹرنیٹ سے پڑھ کر ہی ایٹم بنانے کی تعلیمی اور فنی قابلیت بھی رکھتے ہیں اور جنت کی ستر حوروں پر ایمان بھی. مغربی سیکولر، آزاد خیال اور اعتدال پسند لوگوں کو یہ بات بہت آہستگی سے سمجھ آرہی ہے. ان کے اس تذبذب کو سمجھنا آسان ہے. ان کو نہیں پتہ کہ کسی خدا پر واقعی ایمان رکھنا کیسا ہوتا ہے.

طائرانہ سی نظر اس بات پر ڈال لیتے ہیں کہ یہ مذہبی تفرقے ہمارے عالمی معاشرے کو کہاں لے کر جارہے ہیں. اس دنیا میں اب ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمان ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن میں اور آپ یا تو مسلمان بن جائینگے، یا کسی مسلمان خلیفہ کو جزیہ دینگے اور یا کفر کی سزا میں قتل کر دیے جائینگے. یورپ کے مسلمانوں کی شرح پیدائش ان کے غیر مسلم ہمسایوں سے تین گنا زیادہ ہے. اسلام اب یورپ کا سب سے تیزی سے پھیلتا ہوا مذہب بن چکا ہے. اگر یہی رجحان رہا تو فرانس اگلے پچیس سالوں میں مسلم اکثریت کا ملک بن چکا ہو گا. اور وہ بھی اگر وہاں نئی آبادکاری کو آج ہی روک دیا جائے. پورے یورپ میں بیشتر مسلمان اپنے میزبان ملکوں کی قدروں کو تنفر کی نظروں سے دیکھتے ہیں. نہ صرف یہ بلکہ اپنی زن بیزاری، دوسرے مذاہب بالخصوص یہودیوں سے نفرت اور جہادی نظریوں کی کھلم کھلا تبلیغ بھی کرتے ہیں. زبردستی کی شادیاں، عزت کے نام پر قتل، سزا کے طور پر اجتماعی آبروریزیاں اور ہم جنس پرستی سے شدید ترین نفرت کسی وقت کے سیکولر یورپ کو اب اسلام کے نئے تحفے ہیں. عورتوں کا زبردستی کی شادیوں سے انکار، طلاق کا مطالبہ،

شادی سے پہلے کی مباشرت، یہاں تک کہ ان کی اپنی جبری آبرو ریزی بھی مسلمان خاندانوں کے لیے عزت کا مسئلہ بن جاتی ہے. ایسے حالات میں ان عورتوں کو اکثر ان کے اپنے ہی بھائی، باپ یا شوہر قتل کر دیتے ہیں. بیشتر اوقات اس خاندان کی دوسری عورتیں بھی ان مردوں کی ایسے جرائم میں اعانت کرتی ہیں. عزت کے نام پر قتل تو شاید زیادہ تر ثقافتی اور سماجی مسئلہ ہے اور صرف مسلمانوں کو اس کا ملزم قرار دینا ٹھیک نہیں. مگر اسلام میں عورت کو مرد کی جائیداد اور زناکاری کو سزائے موت کے قابل جرم سمجھنے کی وجہ سے اس مذہب میں اس جُرم کو قدرے زیادہ قبولیت ملتی ہے. پوری اسلامی دنیا میں عورت کو اپنی ہی جبری آبروریزی میں زناکار کے لقب سے نوازے جانے کا امکان ہوتا ہے. اس لیے کہ اس جرم کی اطلاع دینے میں حرام مباشرت کا اعتراف تو شامل ہی ہوتا ہے.

بیشتر یورپی سیاسی درستگی اور نسل پرستی کے الزام کے خوف سے اپنے وسط میں مذہبی انتہاپسندی کو برداشت کر رہے ہیں. یورپ میں صرف چند بہادر لوگوں کے علاوہ اس طرح کے اسلامی نظریوں کے خلاف اب صرف فسطائیت ہی صف آرا نظر آتی ہے. یہ انسانی تہذیب کے لیے کوئی امید افزا خبر نہیں ہے.

یہ خیال کہ 'اسلام بنیادی طور پر امن پسند مذہب ہے جس کو انتہاپسندوں نے یرغمال بنایا ہوا ہے' صرف ایک خوش فہمی ہے. مسلمانوں کے اپنے لیے اب یہ بطور خاص ایک خطرناک خوش فہمی بن چکا ہے. کچھ سمجھ نہیں آتی کہ مسلمان دنیا کے ساتھ کیسے ان موضوعات پر مکالمہ کیا جائے. کیونکہ خوش گوئی سے ان کی ناراضگی سے تو دور رہا جا سکتا ہے مگر اپنے سروں پر منڈلانے والوں خطرات سے نہیں. خارجہ پالیسی کی سطح پر اب یہ بات

امر مسلمہ مانی جاتی ہے کہ مسلمان معاشرے پر باہر کا حل مسلط نہیں کیا جا سکتا. لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایسا کیوں ہے. ایسا اس لیے ہے کہ مذہب نے بیشتر مسلمانوں کو ایک گہرے ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا ہوا ہے. اب وہ دنیا کے معاملوں کو اسلام کی آنکھ سے دیکھتے ہیں. جو مسلمان ایسا نہیں سوچتے وہ اپنے آپ پر الحاد کی مہر اور اپنے قتل کے امکان پر ایسا کرتے ہیں. مگر ہم مسلمان دنیا سے کیسے معقولیت کی توقع رکھ سکتے ہیں اگر ہم خود غیر معقول ہوں؟ یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ 'ہم سب ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں'. ہم سب ایک خدا کی عبادت نہیں کرتے. مسیحی فرقوں کا ایک دوسرے کا قتال اور اسلام کے اندر سنی اور شیعہ فرقوں کی باہمی نفرتوں کی وجہ سے صدیوں کی خونریزیاں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں.

اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ ہم اپنے عالمی معاشرے میں مذاہب کے جنم دیے ہوئے ان تفرقوں کو بین المذاہب مکالمے سے ختم کر پائیں گے. دونوں مذاہب کے چند بڑے نام بھلے کبھی کبھار آپس میں مل کر انسانی اخوت، بھائی چارے اور امن کی باتیں کرتے رہیں. مگر حقیقت تو یہی ہے کہ آپ مسیحیوں کی طرح دیندار مسلمان بھی پکا یقین رکھتے ہیں کہ وہ اور ان کا مذہب سچے ہیں اور اپنے عقیدوں سے تھوڑا سے بھی انحراف ان کو سیدھا دوزخ لے کر جائیگا. علاوہ ازیں، امن اور انسانی ہمدردی کا ہر مذہب میں اپنا اپنا معیار ہے. کروڑوں مسلمان ایسے ہونگے جو مرنا تو پسند کریں گے مگر جزیرہ نما عرب میں مسیحی ہمدردی کا پودا نہیں اُگنے دیں گے. ویسے ہی جیسے مسیحی عرب کے ریگستانوں میں پنپنے والی انسانی ہمدردی کے پیمانے کو امریکہ اور یورپ میں جگہ دینے کی مزاحمت کریں گے. پھر

کیسے بین المذاہب مکالمہ ان بنیادی تفرقوں، نفرتوں اور ابہامات کو دور کر پائے گا؟ سچ یہ ہے کہ ایسی کوششوں پر اربوں لوگوں کے گہرے عقیدوں کی ایک ایسی انمٹ چھاپ ہے جو ان کو پروان چڑھنے نہیں دیتی.

اختتام

اکیسویں صدی کے سب سے بڑے امتحانوں میں سے معقولیت، توازن اور دلیل کی طرف سفر کا امتحان ہے. عوام الناس میں نکتہ چین سوچ اور دانشوارانہ سچائی کو فروغ دینا وقت کی اہم ترین ضرورتیں میں سے ہیں. مذہب اور عقیدہ اس منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں. میں مانتا ہوں کہ مذہب کا خاتمہ کم از کم میری زندگی میں ہونا تو ممکن نظر نہیں آتا. مگر پھر اٹھارویں صدی کے اختتام پر شاید کچھ ایسا ہی غُلامی کے خاتمے کے بارے میں کہا جاتا ہو گا. ۱۷۷۵ میں اگر کوئی امریکہ میں غُلامی کے خلاف بات کرتا تو اپنا وقت بھی ضائع کرتا اور اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈالتا. اس مثال کی مشابہت شاید اچھی نہ ہو مگر ترغیبی ضرور ہے.

اگر ہم آج کی اس مذہبی دلدل کو کبھی عبور کر پائے تو مستقبل میں ہم اس دور کو تعجب اور حقارت سے دیکھیں گے. ہم سوچیں گے کہ ایسا کیسے ممکن تھا کہ اکیسویں صدی تک لوگ ان طوطا مینا کی کہانیوں پر یقین رکھتے تھے؟ یہ کیونکر ممکن ہو پایا کہ اکیسویں صدی میں بھی لوگ خدا اور جنت کے خالی تصورات کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہوتے تھے؟ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پسندیدہ ترین عقائد اُتنے ہی شرمناک ہیں جتنا کہ ۱۸۵۹ میں غُلاموں کے جہاز کا امریکہ کی طرف آخری سفر.

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی روحانی تسکین کے لیے خلافِ فطرت عقیدوں پر تکیہ کرنا چھوڑ دیں. ہم اپنی پیدائش، شادی اور موت جیسے امور کو مشیت ایزدی نہیں بلکہ دنیاوی حقیقتیں سمجھیں. تب کہیں جا کر ہمیں اپنے بچوں کو بجائے انسان کے ایک مسیحی، مسلمان یا یہودی بنا کر پرورش کرنے کو طفلانہ فحاشی سمجھیں گے. اور تب کہیں جا کر ہم انسانی معاشرے کی ان گہری اور خطرناک ترین دراڑوں کو پُر کر پائیں گے.

مجھے پکا یقین ہے کہ آپکا یسوع پر ایمان لانا آپ کی زندگی کی چند خوشگوار یادوں کے ساتھ وابستگی رکھتا ہے. شاید آپ آج دوسرے لوگوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جو پہلے کبھی آپکی زندگی میں مُمکن نہیں تھی. آپ کو شاید اپنی نمازوں میں بھی سکون ملتا ہو گا. میں آپ کے ایسے احساسات کی توہین نہیں کر رہا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ صرف آپ کے مذہب کی خصوصیت نہیں ہے. آپ ہی کی طرح دنیا کے ہر کونے میں کروڑوں اور لوگ بھی اپنی عبادات میں ایسی ہی راحت محسوس کرتے ہیں. وہ یہی سکون کسی کرشنا، کسی اللہ، کسی بُدھا کی عبادت کے وقت یا کسی موسیقی کی تخلیق کے وقت یا صرف فطرت کی خوبصورتی کو دیکھ کر ہی محسوس کرتے ہیں. ایسے تجربات بھی لوگوں میں تغیر اور تبدیلی کا سبب بنتے ہیں.

آپ صحیح کہتے ہیں کہ زندگی میں اس کائنات کی تعمیر و تشکیل کو سمجھنے کے علاوہ بھی بڑی چیزیں ہیں. مگر پھر انہی کے بارے میں آپ کے غیر واجب دعووں کو بھی زیادہ عزت نہیں ملنی چاہیے.

شاید کبھی شروعات میں مذہب نے انسانیت کی کوئی خدمت کی بھی ہو. مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی اب بھی ضرورت ہے. نکاح اور شادی کی رسومات سے پہلے جب

وحشی انسان جنگلوں میں رہتا تھا، تب شاید جبری مباشرت بھی نسل انسانی کو بڑھانے کے لئے ضروری تھی. کیا اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک اچھا عمل ہے؟ اگر مذہب کبھی انسانیت کے لیے اچھا تھا تو اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ اسی انسان کی تہذیب کی ترقی میں یہی مذہب اب سب سے بڑی رکاوٹ ہے.

یہ خط ناکامیوں کا نتیجہ ہے. مذہب پر بے شمار حملوں کی ناکامی کا. ہمارے تعلیمی اداروں کی ناکامی کا جو اپنے نصاب میں خدا کی موت کا یقینی اعلان نہیں کر پائے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں یہ سبق یاد کر لیں. ہمارے ذرایع ابلاغ کی مذہبی رہنماؤں کے احتساب کی ناکامی کا اور بہت سی ایسی اور چھوٹی بڑی ناکامیوں کا جنہوں نے ابھی تک انسان کو خدا میں اُلجھایا ہوا ہے. میرے جیسے مُلحد بھی مسلمان جتھوں کے پوری پوری قوموں کے لیے سر تن سے جدا کے فلک شگاف نعروں سے ششدر اور دہشت زدہ ہو کر آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں. مگر ہم آپ کی حقیقت سے انکار پر، مذہبی مفروضوں کے دفاع پر اور ایک تخیلاتی خدا پر اندھے ایمان پر اتنے ہی ششدر ہیں. یہ خط اسی حیرانگی کا اظہار ہے.

اور شاید کچھ تھوڑی سی امید کا بھی.

~*~*~*~*~